فاصلوں کا موسم

سعید رحمانی

فاصلوں کا موسم

سعید رحمانی

ناشر

مغربی بنگال اردو اکاڈمی

سانسوں میں حمد تیری تحلیل کر رہا ہوں
تیرے کلام کی میں ترتیل کر رہا ہوں

کر کے خطا سے توبہ اے ربِّ دو جہاں میں
خود کو نئے سرے سے تشکیل کر رہا ہوں

دل میں چراغ تیری یادوں کا میں جلا کر
پرنور اپنا قصرِ تخئیل کر رہا ہوں

ہے شخصیت ادھوری اب تک مرے خدایا
قرآن پڑھ کے اس کی تکمیل کر رہا ہوں

نیکی کے راستے پر چل کر ہمیشہ میں بھی
تیری ہدایتوں کی تعمیل کر رہا ہوں

تیرے حضور اپنا دستِ طلب بڑھا کر
پُر اپنی آرزو کی زنبیل کر رہا ہوں

محبوب تر ہے اس کو بندے کی خاکساری
خود کو سعیدؔ اس کی تمثیل کر رہا ہوں

**

ہماری تشنگی کا وہ حوالہ بھی نہیں دیتا
امیرِ شہر پانی کا پیالہ بھی نہیں دیتا

ملا کرتا ہے جھک کے جو ہمیشہ خاکساری سے
جواب اس کی بلندی کا ہمالہ بھی نہیں دیتا

اگا ہے شہر میں جنگل جو ان اونچے مکانوں کا
مرے کمرے کو سورج کا اجالا بھی نہیں دیتا

کٹھن حالات کی بے مہریوں کی برف باری میں
تسلی کا ہمیں کوئی دوشالہ بھی نہیں دیتا

میسر ہے اسے ہر چیز لیکن اس کو کیا کہیے
کسی بھوکے کو وہ جوٹھا نوالہ بھی نہیں دیتا

سعیدؔ اس دیش کے بچے فسادی بن کے نکلیں گے
محبت کا سبق اب پاٹھ شالہ بھی نہیں دیتا

**

تہذیب کا شائستہ ہر باب بھلا بیٹھے
ہم لوگ بزرگوں کے آداب بھلا بیٹھے

نایاب صحیفے کو رکھا تھا جہاں ہم نے
دنیا کی طلب میں وہ محراب بھلا بیٹھے

غیروں کی جفاؤں کا کس منہ سے کریں شکوہ
مشکل جو پڑی ، ہم کو احباب بھلا بیٹھے

اُس پار پہنچنے کا جب عزم کیا دل میں
فوراً ہی ہر اک خوفِ گرداب بھلا بیٹھے

کیا زادِ سفر ہوگا ، نکلیں گے سفر میں جب
اس آخری منزل کے اسباب بھلا بیٹھے

تعبیر نہیں پائی جب ہم نے سعیدؔ ان کی
پلکوں پہ سجائے تھے جو خواب بھلا بیٹھے

**

کسی صورت ہم اپنا فکر و فن بیچا نہیں کرتے
بزرگوں کی روایت کا چلن بیچا نہیں کرتے

ضمیر اپنا سلامت ہے کہ سیم و زر کے بدلے میں
خودی کا بیش قیمت پیرہن بیچا نہیں کرتے

بنا لیتے ہیں سرمہ آنکھ کا اس کو عقیدت سے
ضرورت میں بھی ہم خاکِ وطن بیچا نہیں کرتے

گلوں کے ساتھ خاروں سے بھی اپنے دل کو نسبت ہے
چمن والے کبھی اپنا چمن بیچا نہیں کرتے

شرافت اور غیرت سے انہیں گر واسطہ ہوتا
کبھی وہ اپنے مردوں کا کفن بیچا نہیں کرتے

سعیدؔ اتنا یقیں ہے عشق کرتے ہیں جو اردو سے
وہ اہلِ دل وقارِ انجمن بیچا نہیں کرتے

**

درندوں کے نگر میں آپ اگر رہنے کی خو کر لیں
تو پھر یہ بھی ضروری ہے سفید اپنا لہو کر لیں

نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا آپس کی لڑائی سے
چلو ہم اختلافی مسئلوں پر گفتگو کر لیں

بنا سوچے کسی پر تہمتیں دھرنا نہیں اچھا
حقیقت کھل ہی جائے گی ذرا سی جستجو کر لیں

تکلف کی فصیلیں خود بخود گر جائیں گی اک دن
کہ لفظِ "آپ" کو تھوڑا بدل کر لفظِ "تو" کر لیں

گناہوں کے سبھی دھبے مٹیں گے دامنِ دل سے
پشیمانی کے اشکوں سے اگر آنکھیں وضو کر لیں

سعیدؔ اپنی تو عادت ہے زمیں پر چلتے رہنے کی
بلندیِ فلک کی آپ چاہیں آرزو کر لیں

**

بدلنی ہے کسی صورت یہ جو تقدیر اپنی ہے
مگر ناکام اس میں آج تک تدبیر اپنی ہے

سہانے خواب جو میں دیکھتا ہوں وہ پرائے ہیں
تسلی کے لیے لیکن مری تعبیر اپنی ہے

مجھے ہنستا ہوا چہرہ نظر آیا جو البم میں
یقیں مجھ کو نہیں ہوتا کہ یہ تصویر اپنی ہے

اسے میں توڑ کر باہر مکاں سے جا نہیں سکتا
مرے قدموں میں یہ ڈالی ہوئی زنجیر اپنی ہے

مرے اسلاف کی چھوڑی ہوئی میراث کی صورت
ابھی تک زنگ آلودہ وہی شمشیر اپنی ہے

کہوں کیا حال میں تم سے سعیدؔ اپنی کمائی کا
یہی دو چار غزلوں کی فقط جاگیر اپنی ہے

**

جو زندگی کے سنہرے اصول ہوتے ہیں
وہ حق پرستوں کو دل سے قبول ہوتے ہیں

زمانہ ان کی غلامی پہ ناز کرتا ہے
مرے نبی کے جو قدموں کی دھول ہوتے ہیں

تمہارے شہر کا ہر پھول جیسے پتھر ہے
ہمارے گاؤں کے پتھر بھی پھول ہوتے ہیں

جو چاہ کرتے ہیں پھولوں کی ، میں نے دیکھا ہے
انہیں کی راہوں میں اکثر ببول ہوتے ہیں

چکا رہا ہوں ہر اک لمحہ قرض احساں کا
خراج سانسوں کے مجھ سے وصول ہوتے ہیں

ہے جن کی شاعری تفسیر زندگی کی سعیدؔ
انہیں ہی داد کے تحفے حصول ہوتے ہیں

**

مہربانی اس طرح کچھ مہرباں کرتے رہے
ہر قدم پر وہ مجھے آتش بجاں کرتے رہے

غم کوئی اس کا نہیں پاسِ وفاداری میں ہم
دوستوں کے واسطے اپنا زیاں کرتے رہے

ایک مرکز پر سبھی آجائیں یہ ممکن نہیں
دشمنی وہ دوستوں کے درمیاں کرتے رہے

اس لیے کمزور ہیں دشمن کے آگے آج ہم
آپسی جھگڑوں میں خود کو رائیگاں کرتے رہے

بینک بیلنس ، کار، بنگلے ہیں سبھی کچھ ان کے پاس
جو یہاں اپنی سیاست کی دکاں کرتے رہے

منزلوں کا راستہ ملتا گیا مجھ کو سعیدؔ
رہنمائی ان کے قدموں کے نشاں کرتے رہے

**

سوچ رہا ہوں بیٹھے بیٹھے اپنے آپ اکیلے میں
کون بنا ہے کس کا ساتھی دنیا کے اس میلے میں

وہی پرانا تحفہ پھر سے نئی صدی لے آئی ہے
پھنسا ہوا ہے اب بھی انساں چکر اور جھمیلے میں

دہشت کے ماحول میں اب تو لوگوں کا یہ حال ہوا
خوف زدہ بکرے ہوں جیسے خوں آلود کمیلے میں

اس کے لہجے کی کڑواہٹ کوئی انوکھی بات نہیں
شیرینی کیوں ڈھونڈ رہا ہے مورکھ ایک کریلے میں

کون ہے اپنا کون پرایا یہ کہنا مشکل ہے سعیدؔ
سب نے تو پہچان گنوا دی انسانوں کے ریلے میں

**

وہ اپنی ذات کے اندھے قفس میں رہتا ہے
امیرِ شہر ہے حرص و ہوس میں رہتا ہے

عقب سے کرتا ہے سازش مری تباہی کی
وہ میرے آگے مگر پیش و پس میں رہتا ہے

ذرا سی ٹھیس لگے گی تو ٹوٹ جائے گا
بدن کا آئینہ پتھر کے بس میں رہتا ہے

سماعتوں کی پگھلتی ہے برف سن کے جسے
حرارتوں کا وہ جادو جرس میں رہتا ہے

اسیر ہوں میں تری ذات کے حصاروں میں
مرا وجود تری دسترس میں رہتا ہے

گزارتا ہوں سعیدؔ اپنی زندگی یونہی
زمیں کا قرض مرے ہر نفس میں رہتا ہے

**

•

آج کے اس دور کا ہر آدمی خطرے میں ہے
ہوگیا دشوار جینا، زندگی خطرے میں ہے

کوئی بھی ملتا نہیں جھک کر کسی سے آج کل
انکساری، خاکساری، عاجزی خطرے میں ہے

نفرتوں کا زہر پھیلایا ہے اس نے اس طرح
پیار کم ہونے لگا ہے، دوستی خطرے میں ہے

باغباں کرنے لگا ہے جب خزاں سے ساز باز
پھول کے چہرے پہ ٹھہری تازگی خطرے میں ہے

راحتوں کی ساری پونجی لوٹ لی مہنگائی نے
ہم غریبوں کے مقدر کی خوشی خطرے میں ہے

جھوٹ کی گہری سیاہی کے نتیجے میں سعیدؔ
آج کل سچ کے دیے کی روشنی خطرے میں ہے

**

مناجات

میرے خدا مجھے نہ وہ مال و منال دے
جو کچھ بھی مجھ کو دینا ہے بس حسبِ حال دے

ہم کو ہدف ستم کا بنانے لگے ہیں غیر
یارب! تو ان کے جور کو یومِ زوال دے

طوفاں مچل رہے ہیں سفینے کے آس پاس
تو اس کو مشکلوں کے بھنور سے نکال دے

اب تک اذیتوں میں گزاری ہے زندگی
راحت کے پرسکون ہمیں ماہ و سال دے

حمد و ثنا میں لکھتا رہوں تیری شان میں
میرے ہر ایک لفظ کو حسنِ کمال دے

دامن پسارے آیا ہے در پر ترے سعیدؔ
تو گوہرِ مراد کو جھولی میں ڈال دے

**

اپنا فرمایا ہوا وہ مستند کرتے رہے
درمیاں بونوں کے اونچا اپنا قد کرتے رہے

وقت پڑنے پر انھوں نے اپنی آنکھیں پھیر لیں
ہم بصد اخلاص جن کی ہر مدد کرتے رہے

نیک نامی کا حسیں تمغہ انھیں بخشا گیا
زندگی بھر جو ہمیشہ کارِ بد کرتے رہے

پیش آیا جب کبھی انعام دینے کا سوال
اپنے لوگوں کو ہمیشہ نامزد کرتے رہے

برملا تعریف جن کی میں سدا کرتا رہا
وہ پسِ پردہ مگر مجھ سے حسد کرتے رہے

جھوٹ کی تائید شامل جن کی فطرت میں رہی
میرے سچ کو وہ ہمیشہ مسترد کرتے رہے

کرچکا تنسیخ ان کو اک زمانہ اے سعیدؔ
شاعری کے باب میں جو مجھ کو رد کرتے رہے

**

دشمنی کا بول بالا دوستی خاموش ہے
اس کی عیاری کے آگے سادگی خاموش ہے

شور کرتے ہیں اندھیرے شہر میں چاروں طرف
جاگتے لوگوں کے گھر میں روشنی خاموش ہے

کھیل کچھ ایسا دکھایا ہے تعصب نے یہاں
ناچتی ہے موت سر پر زندگی خاموش ہے

رات کے تاریک لمحوں کی سلگتی چیخ پر
چاند ہے دہشت زدہ اور چاندنی خاموش ہے

اک گھنا جنگل نظر آتا ہے اپنا شہر اب
چاروں جانب ہیں درندے آدمی خاموش ہے

پھر مرا خونِ جگر مطلوب ہے اس کو سعیدؔ
پیاس کی شدت سے اپنی شاعری خاموش ہے

**

مصیبت میں سہارا اب تو بھائی بھی نہیں دیتا
کہ بیٹا باپ کو اپنی کمائی بھی نہیں دیتا

سخاوت میں بھی اب ہونے لگی اپنی غرض شامل
بنا مطلب زمانہ ایک پائی بھی نہیں دیتا

ہجوم شہر کی تنہائیاں ڈسنے لگیں مجھ کو
کوئی چہرہ تو لمسِ آشنائی بھی نہیں دیتا

سکوں سے نیند آجاتی ہے فرشِ خاک پر مجھ کو
اگرچہ وقت چھوٹی سی چٹائی بھی نہیں دیتا

ہمارا فعلِ بد ہے جو کسی دیوار کی صورت
دعا کو عرشِ اعظم تک رسائی بھی نہیں دیتا

سعیدؔ اپنی غزل میں اتنی شادابی نہیں ہوتی
اگر میں خونِ دل کی روشنائی بھی نہیں دیتا

**

وہی انسان اچھے جو دکھوں میں کام آتے ہیں
سب ان کے سامنے بہر عقیدت سر جھکاتے ہیں

کبھی آ کر ملو شہر کٹک میں ہم فقیروں سے
خلوص اپنا لیے ہر شخص سے ملتے ملاتے ہیں

انھیں ڈھونا ہے بھاری بوجھ کل پھر زندگانی کا
یہ بچے جو کتابوں کے ابھی بستے اٹھاتے ہیں

ہمیں مطلب نہیں ہے کچھ بھی مانگے کے اجالے سے
چراغ اپنے ہنر کا خود ہی ہاتھوں سے جلاتے ہیں

کبھی لیتے نہیں وہ مول کر اخبار اردو کا
مگر اردو کی روٹی ٹھاٹ سے ہر روز کھاتے ہیں

سعیدؔ اس دور میں ہوتی نہیں سچ کی پذیرائی
ابھی تو لوگ اپنی جھوٹ کا سکہ چلاتے ہیں

**

بزرگوں کی دعا لے کر سفر پہ جو نکلتا ہے
تو اس کے سر سے ان دیکھی بلا کا زور ٹلتا ہے

پرانے شہر کی جدت طرازی کے نتیجہ میں
ہمارے گھر کے بیچوں بیچ سے رستہ نکلتا ہے

یقیں کے قصر کی بنیاد جب کمزور ہوجایے
تو انساں وہم کے خود ساختہ سانچے میں ڈھلتا ہے

میں اکثر آتے جاتے گھر کا رستہ بھول جاتا ہوں
ہمارا گاؤں بھی ہر روز اک چہرہ بدلتا ہے

بجھانے کے لیے اس کو ہوائیں روز آتی ہیں
مری کٹیا میں اک ننھا سا دیپک جب سے جلتا ہے

گنوایا وقت کو جس نے سعیدؔ اپنے تساہل سے
یہی دیکھا ہے میں نے وہ کفِ افسوس ملتا ہے

**

ادب کے ساتھ ہمیشہ کلام کرتا ہوں
میں دوستوں کا بڑا احترام کرتا ہوں

کثیف کرتا نہیں اپنے دل کو نفرت سے
میں دشمنوں کو بھی پہلے سلام کرتا ہوں

نبی سے اپنی محبت کا یہ تقاضا ہے
جہاں میں جذبۂ الفت کو عام کرتا ہوں

انھیں کے ذکر سے ہوتی ہے ابتدائے سحر
انھیں کے نام سے روشن میں شام کرتا ہوں

بدن ہے شیشے کا لیکن بڑے ارادوں سے
میں شہر سنگ میں اپنا قیام کرتا ہوں

چلا رہا ہوں رسالہ جو ایک اردو کا
رفیق کہتے ہیں گھاٹے کا کام کرتا ہوں

سعیدؔ ہوتا ہے الہام مجھ پہ لفظوں کا
میں شعر کہنے کا جب اہتمام کرتا ہوں

**

بے حال ہو رہے ہیں موسم کے حال سے
چہرے اٹے ہیں سب کے غبارِ ملال سے

آپس کی گفتگو سے مسائل کو حل کریں
بنتی نہیں ہے بات کبھی قیل و قال سے

میں روکھی سوکھی کھا کے بھی کرتا نہیں گلہ
خوش ہوں گزارا ہوتا ہے رزقِ حلال سے

پاتا ہے جو عروج کا تمغہ جہان میں
دوچار ہونا پڑتا ہے اس کو زوال سے

شہکار خلق کرتا ہے فن کار تو مگر
محروم ہونا پڑتا ہے دستِ کمال سے

پہلا سا وہ اثر کہاں اپنی اذان میں
محروم ہو چکی ہے وہ روحِ بلال سے

ہوتا ہے سرخرو وہی دنیا میں اے سعیدؔ
رہتا ہے بچ کے جو بھی برائی کے جال سے

**

پیڑوں سے پھول، برگ و ثمر لے کے جائے گا
پت جھڑ کا دور حسنِ نظر لے کے جائے گا

کشکول زندگی کا عمل سے تہی ہے جب
کیوں کر تو ساتھ زادِ سفر لے کے جائے گا

لے کر خدا کا نام سفینے میں ہوں رواں
ساحل کے پاس مجھ کو بھنور لے کے جائے گا

محفل میں شاعری کی دھنک پھیل جائے گی
لفظوں کے جب وہ شمس و قمر لے کے جائے گا

جادو اسی کا بولے گا سر چڑھ کے دیکھنا
گفتار میں جو اپنی اثر لے کے جائے گا

انداز اس کا ہوتا ہے سب سے جدا سعیدؔ
وہ ساتھ اپنے اپنا ہنر لے کے جائے گا

**

ہر اک لفظِ سخن کو نور کی دھارا بناتا ہوں
جبینِ شعر پر میں فکر کا ہالہ بناتا ہوں

عصا ہے میرے ہاتھوں میں ارادوں کی بلندی کا
میں دریا کاٹ کر اپنے لیے رستہ بناتا ہوں

حقارت سے نہ دیکھو اس کو تم اے دیکھنے والو!
جو ذرہ خاک کا ہے اس کو میں سونا بناتا ہوں

میں رہتا ہوں ابھی تک پھوس کے چھوٹے سے کمرے میں
مگر اونچے محل کا روز اک نقشہ بناتا ہوں

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کروں کس پر بھروسہ میں
دغا دیتا ہے وہ مجھ کو جسے اپنا بناتا ہوں

سعیدؔ اس کو اڑا لیتی ہے آ کر وقت کی آندھی
کہ جس کاغذ پہ مستقبل کا میں چہرہ بناتا ہوں

**

اجالوں اور اندھیروں میں گھرے شام وسحر دیکھے
سدا ہم نے یہاں پہلو بہ پہلو خیر و شر دیکھے

زمین دل کی شادابی کو سورج پی گیا جب سے
سبھی چہروں کی شاخوں پر اداسی کے ثمر دیکھے

دلوں کے فاصلے مٹتے نہیں ہیں لاکھ کوشش پر
ہمیں جو کچھ بھی کرنا تھا وہی سب ہم نے کر دیکھے

اجالوں کے نگر میں رہنے والوں سے میں پوچھوں گا
دیے جلتے نہیں جن میں کبھی تم نے وہ گھر دیکھے

تماشے پر نگاہیں آپ کی مرکوز رہتی ہیں
کوئی ان دیکھنے والوں کی حیرت زا نظر دیکھے

سعیدؔ اپنی غزل کی سادگی ہر اک سے کہتی ہے
اتر کر لفظ کے اندر معانی کے گھر دیکھے

**

نعتِ خیرالانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سب اہلِ دل جنھیں خیرالانام کہتے ہیں
انھیں کو دونوں جہاں کا امام کہتے ہیں

حیات ان کی ہے تفسیر حرفِ قرآں کی
سخن کو ان کے خدا کا کلام کہتے ہیں

ہے باداباں پہ لکھا کلمۂ رسول اللہ
مرے سفینے کو طوفاں سلام کہتے ہیں

اسی کی دید مری زندگی کا مقصد ہے
کہ جس دیار میں رحمت ہے عام کہتے ہیں

سجا کے ہونٹوں پہ اپنے درود کی کلیاں
سلام آپ کو ہم سب غلام کہتے ہیں

سعیدؔ آتی ہے جو موت شہرِ طیبہ میں
اسی کو ہم تو حیاتِ دوام کہتے ہیں

**

جھوٹا جو ہے ، کبھی اسے سچا نہیں لکھا
کانٹے کو پھول ، کانچ کو ہیرا نہیں لکھا

مجھ سے امیرِ شہر بھی ناراض ہے بہت
اس کے لیے جو میں نے قصیدہ نہیں لکھا

سچائیوں کا زہر میں پیتا رہا مگر
امرت کا اپنے لب پہ پیالہ نہیں لکھا

سورج نے کی ہے روشنی ہر چیز پر رقم
میرے ہی گھر میں تھوڑا اجالا نہیں لکھا

اس نے رکھا ہے رشتے کو بین السطور میں
اپنا نہیں لکھا تو پرایا۔ نہیں لکھا

پاتا ہوں جن کے در سے میں خیرات اے سعیدؔ
ان کے سوا وسیلہ کسی کو نہیں لکھا

**

کھڑے ہیں آ کے اندھیروں کی ایسی منزل میں
گھری ہے زندگی جلتے ہوئے مسائل میں

انھیں سے بکھرا ہے شیرازہ اپنی ملت کا
جو فرض چھوڑ کے مصروف ہیں نوافل میں

بھروسہ کس پہ کروں کچھ سمجھ نہیں پاتا
رہا نہ فرق مسیحا میں اور قاتل میں

جو باندھ رکھتا ہے مظلوم کی نواؤں کو
ہے انقلاب کے نغمے بھی ان سلاسل میں

ذرا وہ تول کے دیکھیں مری غزل کو سعیدؔ
ترازو لے کے بیٹھے جو ہوئے ہیں محفل میں

**

مری فطرت ہے سادہ مجھ سے عیاری نہیں ہوتی
غزل پڑھتا ہوں جب اس میں اداکاری نہیں ہوتی

پڑاؤ ڈالے رہتا ہے وہاں منحوس سناٹا
کسی گھر میں اگر بچوں کی کلکاری نہیں ہوتی

بنا ہے چودھری دنیا کا وہ لاٹھی کی طاقت سے
قلم ہاتھوں میں لے کر اب تو سرداری نہیں ہوتی

عداوت ہو تو مشکل پیش آتی ہے بہر لحہ
محبت سے رہیں تو کوئی دشواری نہیں ہوتی

سعیدؔ آ کر کبھی ہم سے ملو تو جان جاؤ گے
فقیروں کی طبیعت میں ریاکاری نہیں ہوتی

**

اپنے اشعار کو رنگوں میں بھگونے کے لیے
لے کے آیا ہوں قلم خوں میں ڈبونے کے لیے

نیند آ جاتی ہے پتھریلی زمیں پر اس کو
وہ ترستا نہیں مخمل کے بچھونے کے لیے

خونِ معصوم کا دھبہ نہیں مٹنے والا
کوششیں لاکھ وہ کر لے اسے دھونے کے لیے

میں بنا دیتا ہوں ہر لفظ کو نوکِ خنجر
مردہ احساس کی رگ رگ میں چبھونے کے لیے

اپنے پرکھوں کی روایت کا امیں ہوں میں سعیدؔ
ایسی میراث تو ہوتی نہیں کھونے کے لیے

**

مکاں کی خستہ دیواروں میں تھوڑی شان باقی ہے
مکینوں کی جبینوں پر پرانی آن باقی ہے

بڑی مدت سے حملے کر رہا ہے جھوٹ کا لشکر
ابھی سچ کی طرف سے جنگ کا اعلان باقی ہے

بدل سکتے ہیں پھولوں میں دہکتی آگ کے شعلے
خدا کی ذات پر دل میں ابھی ایمان باقی ہے

پرائے دکھ میں کوئی رو پڑے تو میں سمجھتا ہوں
درندوں کے نگر میں آج بھی انسان باقی ہے

سمندر کی خموشی نے لکھا میری سماعت پر
''ابھی موجوں کے دل میں حشر کا طوفان باقی ہے''

سعیدؔ اپنی تو کوشش ہے کروں کچھ خدمتِ اردو
بدن کی قید میں محصور جب تک جان باقی ہے

**

جیب خالی ہو تو پھر یار بدل جاتے ہیں
دوستی کے سبھی معیار بدل جاتے ہیں

لمس ہاتھوں کا مرے ملتا ہے جس دم ان کو
پھول کی شکل میں سب خار بدل جاتے ہیں

حوصلہ جن میں ہے پاتے ہیں وہ اونچا منصب
اور بزدل جو ہیں سردار بدل جاتے ہیں

ایک اسٹیج کی مانند ہے دنیا ، جس میں
وقت کے ساتھ ہی کردار بدل جاتے ہیں

تیز رفتار زمانے کا عجوبہ ہے سعیدؔ
لوٹ کے دیکھو تو گھر بار بدل جاتے ہیں

**

ہمارے درمیاں کچھ اور بھی الجھاؤ باقی ہے
ابھی مسلک کے جھگڑے ہیں، ابھی بکھراؤ باقی ہے

رسیلے پھل درختوں پر نظر آنے لگے پھر سے
ہوس کے ہاتھ سے ان کی طرف پتھراؤ باقی ہے

مجھے معلوم ہے غیظ و غضب ان کا نہ کم ہوگا
پتہ ہے تند موجوں کو ابھی تک ناؤ باقی ہے

بچا رکھنا ہے تیروں کو رفیقو! اپنے ترکش میں
ابھی تو دشمنوں سے آخری ٹکراؤ باقی ہے

اچھالے تھے کبھی جو آپ نے پتھر مری جانب
انھیں کی ضرب سے دل پر لگا ہر گھاؤ باقی ہے

سبھی تو مل چکے اک دوسرے سے اے سعیدؔ اب تک
کہ تنہا ''دال'' سے ملنے کی خاطر ''واؤ'' باقی ہے

**

کیا بھول مجھ سے ہوگئی مجھ کو پتہ نہیں
اس کے لبوں پہ اب تو سلام و دعا نہیں

لفظوں کو اپنے تول کے جب تک نہ دیکھ لوں
اس وقت تک زبان کو میں کھولتا نہیں

اظہار کے پرند اِدھر آئیں کس طرح
ہونٹوں کی خشک ڈالی پہ برگِ صدا نہیں

میرے خلاف آپ تو کہتے ہیں ہر گھڑی
میں نے خلاف آپ کے کچھ بھی کہا نہیں

تم دوسروں کا عیب گناتے ہو اس لیے
شاید تمہارے گھر میں کوئی آئینہ نہیں

رہتے ہیں چپ سعیدؔ ابھی شہرِ سنگ میں
"کیا کیجیے کہ اپنا کوئی آشنا نہیں"

**

میں طائرِ سخن کو پرواز دے رہا ہوں
غزلوں کو خوب صورت انداز دے رہا ہوں

اظہارِ حق کی جرأت کرنے لگے گا وہ بھی
مظلوم کی زباں کو آواز دے رہا ہوں

ہر شخص اپنا چہرہ دیکھے گا صاف ان میں
شعروں کو آئینے کا اعجاز دے رہا ہوں

میرے رفیق مجھ سے ناراض ہو رہے ہیں
لفظِ غزل کو تیکھا انداز دے رہا ہوں

پھر تتلیوں کے پیچھے ہے دوڑنے کی خواہش
بچپن کے موسموں کو آواز دے رہا ہوں

پھوٹیں سنیہ جس سے نغمے مسرتوں کے
ہاتھوں میں زندگی کے وہ ساز دے رہا ہوں

**

خوشی ہوتی ہے مجھ کو جب کوئی مہمان آتا ہے
مرے گھر میں قدم رکھ کر مری عزت بڑھاتا ہے

تسلی کوئی بھی دیتا نہیں ہے رونے والوں کو
مگر ہم مسکرائیں تو زمانہ مسکراتا ہے

چمک اٹھتا ہے جب سورج پڑوسی کے دریچے پر
اجالوں سے مرا چھوٹا سا کمرہ بھیگ جاتا ہے

دیا جب ہاتھ میں لے کر نکلتا ہوں اندھیرے میں
بجھانے کے لیے طوفان اپنا سر اٹھاتا ہے

پڑوسی میں ہمارے آگئی ہے کیسی تبدیلی
کبھی جو ہنس کے ملتا تھا، وہی آنکھیں دکھاتا ہے

سعیدؔ اس واسطے تیری غزل اچھی نہیں ہوتی
ترا بیباک لہجہ سب کو آئینہ دکھاتا ہے

**

بصارت کے دریچے میں مدینے کا وہ منظر ہے
جہاں ان کے کرم کا ہر طرف بہتا سمندر ہے

جہاں فیضان کا چشمہ رواں رہتا ہے ہر لمحہ
جہاں ملتا ہے سب کچھ وہ مرے سرکار کا در ہے

شہنشاہِ دوعالم ہیں ، وہی تاجِ پیمبر بھی
بدن پر کالی کملی اور چٹائی جن کا بستر ہے

ہے ان کی یاد کی قندیل روشن میری سوچوں میں
ضیاپاشی سے جس کی شہرِ جاں اپنا منور ہے

اندھیروں کا گزر ہوتا نہیں ہے میرے آنگن میں
کہ ان کے ذکر سے روشن مرا چھوٹا سا یہ گھر ہے

عمل سے میں تہی ہوں ساتھ کیا لوں گا سعیدؔ اپنے
کہ زادِراہ بس میرے لیے تو نعتِ سرور ہے

**

ستم کی دھوپ ہو تو میں اسے برسات لکھتا ہوں
اور اپنے زخمِ دل کو وقت کی سوغات لکھتا ہوں

تمہاری اور میری سوچ میں بس فرق ہے اتنا
جسے تم دن سمجھتے ہو اسے میں رات لکھتا ہوں

درندوں کا ٹھکانا پوچھتا ہے کوئی جب مجھ سے
کلیجہ تھام کر میں خطۂ گجرات لکھتا ہوں

ہمیشہ مختصر ہوتی ہے میری گفتگو لیکن
کبھی لکھنے جو بیٹھوں تو کئی صفحات لکھتا ہوں

بہت سے لوگ ہیں ناراض مجھ سے اس لیے شاید
اٹھا کر جھوٹ سے پردہ میں سچی بات لکھتا ہوں

سعیدؔ اس میں نظر آتا ہے سب کو کربِ دل میرا
غزل کے رنگ میں جب اپنے محسوسات لکھتا ہوں

**

غزل کہی تو نئے زاویے چلے آئے
نئی ردیف ، نئے قافیے چلے آئے

نئی رتوں کے قصیدے جو لکھنے بیٹھا میں
قلم کی نوک پہ کچھ مرثیے چلے آئے

کھلی ہے ان کو بہت میرے قد کی اونچائی
پھر اس کو ناپنے بالشتیے چلے آئے

ہوا نے دستکیں جس وقت دیں کواڑوں پر
ہم اپنے ہاتھ میں لے کر دیے چلے آئے

تمہاری بزم میں آئے تھے روشنی کے لیے
اٹھے تو یاد کے جگنو لیے چلے آئے

صدی بھی جن پہ سعیدؔ اپنی جاں نثار کرے
مری حیات میں وہ ثانیے چلے آئے

**

لوحِ الفاظ پہ ہر نقش بناؤں تیرا
اور زمانے کو بھی میں جلوہ دکھاؤں تیرا

جب کہ ہر دم تو مرے دل میں مکیں رہتا ہے
میں پتہ کس لیے پھر ڈھونڈنے جاؤں تیرا

تیرے ہر درد کو سینے سے لگا کر رکھوں
اپنی آنکھوں سے بھی میں آنسو بہاؤں تیرا

جس کی خوشبو سے مہک اٹھے مشامِ جاں تک
باغِ ہستی میں وہی پھول کھلاؤں تیرا

یاد کرتے ہیں تجھے لوگ کئی ناموں سے
"کوئی پوچھے تو میں کیا نام بتاؤں تیرا"

داستاں میری تجھے سننے کی خواہش، ہے سعیدؔ
مجھ کو ارماں ہے کہ افسانہ سناؤں تیرا

**

زمیں سمجھا تھا جس کو در حقیقت آسماں نکلا
وہ اپنی پستیوں میں بھی بلندی کا نشاں نکلا

سلگتے منظروں کا سلسلہ پھیلا ہر اک جانب
دلوں میں آگ بھڑکانے کو وہ شعلہ بیاں نکلا

جسے قطرہ سمجھ کے آپ نے ٹھکرا دیا تھا کل
وہی باطن میں اپنے ایک بحرِ بیکراں نکلا

دعا کا لفظ اپنے ساتھ لے کر چل رہا تھا میں
ستم کی دھوپ میں وہ راحتوں کا سائباں نکلا

سلگتا ہے کوئی آتش فشاں شاید مرے اندر
کہ میں نے سانس لی جب بھی تو پھر گہرا دھواں نکلا

بڑی امید تھی روشن کرے گا اپنا مستقبل
اسے ہونا تھا کارآمد مگر وہ رائگاں نکلا

بہت کرتا تھا دعویٰ اپنی استادی کا محفل میں
غزل جب پیش کی اس نے تو عیبِ شائگاں نکلا

**

کلامِ شیریں کا ذائقہ ہے غزل ہماری
لطیف جذبوں کا آئینہ ہے غزل ہماری

اسی سے ملتا ہے تلخ و شیریں کا لطف ہم کو
حیاتِ انساں کا تجزبہ ہے غزل ہماری

اسی سے پاتے ہیں زندگانی کا درس ہم بھی
سلیقہ مندی کا مدرسہ ہے غزل ہماری

سخن کے شہرِ جمال کا ہے وقار اس سے
ادب کی سالارِ قافلہ ہے غزل ہماری

سعیدؔ اس کا نہ کوئی ہمسر نہ کوئی ثانی
زبانِ اردو کا معجزہ ہے غزل ہماری

**

بزرگوں نے کہا ہے جھوٹ کی تائید مت کرنا
جو سچی بات ہے اس کی کبھی تردید مت کرنا

ضروری ہے چلیں نیکی کی راہوں میں بصدقِ دل
بدی کے ہم نواؤں کی کبھی تقلید مت کرنا

سنہرے خواب پلکوں پہ سجا سکتے تو ہو لیکن
حسیں تعبیر کی تم آرزوئے دید مت کرنا

پسِ پردہ عداوت پر جو رہتا ہے کمربستہ
کبھی اس سے بھلائی کی کوئی امید مت کرنا

کہو ہر بات کھل کر گفتگو میں تم سعیدؔ اپنی
کبھی شعروں کو اپنے صورتِ تجرید مت کرنا

**

آج کے دور میں سچ بات کہوں یا نہ کہوں
جھوٹ کی نگری کے حالات کہوں یا نہ کہوں

روشنی اور اندھیرے میں کوئی فرق نہیں
یہ ابھی دن ہے اسے رات کہوں یا نہ کہوں

بے مشقت کی کمائی کا وہ رکھتا ہے خیال
مفت مل جائے تو خیرات کہوں یا نہ کہوں

دل دکھانے کی سبھی بات کیا کرتے ہیں
کس قدر زخمی ہیں جذبات کہوں یا نہ کہوں

لکھتا آیا تھا ابھی تک میں خوشی کے نغمے
وقت دینے لگا صدمات کہوں یا نہ کہوں

کہیں سوکھا تو کہیں ھوتا ہے سیلاب سعیدؔ
نخرے والی اسے برسات کہوں یا نہ کہوں

**

اچھی صحبت کا اگر کوئی وسیلہ چاہیے
آپ کو بھی گفتگو میں کچھ سلیقہ چاہیے

بند کمرے میں گھٹن سے ہے پریشانی بہت
اپنے گھر میں بھی کشادہ اک دریچہ چاہیے

اک دوانہ جا چکا دریا پہ چل کے اس طرف
پار ہونے کے لیے مجھ کو سفینہ چاہیے

بن قیادت کے سہے جاتے ہیں ہم ظلم و ستم
جس میں جرأت ہو وہی میر قبیلہ چاہیے

ہوگا وہ وقفہ صدی کی مثل میرے واسطے
آپ کی قربت کا مجھ کو ایک لمحہ چاہیے

جیتنے کے واسطے لوگوں کے دل کو اے سعیدؔ
پیار کی خوشبو میں ڈوبا میٹھا لہجہ چاہیے

**

ہمارے دور میں یہ سانحہ بھی خوب ہوتا ہے
یہاں سچ کہنے والا آج کل مصلوب ہوتا ہے

شکست و ریخت سے دوچار ہیں اسلاف کی قدریں
غلط کاری پہ اپنی کب کوئی محجوب ہوتا ہے

اگر تنہائیوں میں الجھنوں کے سانپ ڈستے ہیں
مری راحت کا ضامن آپ کا مکتوب ہوتا ہے

غنیمت ہے غریبوں کے لیے دو وقت کی روٹی
جنھیں ہے فکرِ دنیا ، دھن انھیں مطلوب ہوتا ہے

زباں میری پھلے پھولے اسی کاوش میں رہتا ہوں
یہی اک مشغلہ میرے لیے محبوب ہوتا ہے

غزل میری قصیدہ ہے سعیدؔ ان کی رسالت کا
مرا ہر لفظ ان کے نام سے منسوب ہوتا ہے

**

اچانک شہر میں جلتے ہوئے سب گھر نظر آئے
فضا میں جس طرف دیکھا لہو منظر نظر آئے

بھڑکتے ہیں عداوت کے یہ شعلے آج کل ہر سو
زمینِ دل کے خطے اس لیے بنجر نظر آئے

یقیں آتا نہیں اپنی بصارت پر کسی صورت
جنھیں میں پھول سمجھا تھا وہی پتھر نظر آئے

ہمیشہ جستجو رہتی تھی جن کو چھاؤں پانے کی
وہی اوڑھے ہوئے اب دھوپ کی چادر نظر آئے

پرائے تو پرائے ہیں توقع کچھ نہیں ان سے
مگر اپنوں کے بھی بدلے ہوئے تیور نظر آئے

سکوں کیسے میسر ہو سعیدؔ اس زندگانی میں
سلگتے مسئلوں کے ہر طرف لشکر نظر آئے

**

سرورِ دیں نے ہمیں بخشا ہے اک ایسا نصاب
جس میں موجود ہے دنیا کے سوالوں کا جواب

جن کی خوشبو سے مہکتی ہے ساعت اب تک
آپؐ کے لب پہ کھلے تھے جو تبسم کے گلاب

جب کڑی دھوپ میں نام ان کا زباں پر آیا
سائباں ہو گیا ہر ایک پہ رحمت کا سحاب

حشر تک روشنی جو دیتی رہے گی ہم کو
آپؐ نے دی ہے ہمیں ایسی ہدایت کی کتاب

رحمتیں آپؐ کی ہیں عام زمانے کے لیے
جن کی حد ہے نہ کوئی اور نہ ہی کوئی حساب

گر ملے ان کی شفاعت کا اشارہ اے سعیدؔ
سر سے ٹل جائے گا ہر عاصی کے محشر کا عذاب

**

خون میں ڈوبے ہوئے کتنے ہی منظر گزرے
میری آنکھوں سے سبھی جلتے ہوئے گھر گزرے

چھاؤں پانے کی تمنا میں چلے تھے لیکن
دھوپ کی راہوں سے ہم لوگ برابر گزرے

کھیتیاں جل گئیں ، مسمار ہوئے گھر سارے
کارواں لے کے جو بستی سے ستم گر گزرے

آئینہ میں نے دکھایا تو یہ دنیا والے
اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے پتھر گزرے

ان کی تعبیر سے محروم رہا ہوں اب تک
قافلے خوابوں کے ان آنکھوں سے اکثر گزرے

میرؔ و غالبؔ سا ہوا ہے نہ کوئی ہوگا سعیدؔ
ایک سے ایک زمانے میں سخنور گزرے

**

شاعری میں صَرف ہم زورِ بیاں کرتے رہے
اسپ خامہ کو یونہی ہر دم رواں کرتے رہے

زندگی تو راہ میں آواز دیتی رہ گئی
اور ہم خوذ کو غبارِ کارواں کرتے رہے

دشمنوں کے وار کا کیسے کریں گے سامنا
آپسی جھگڑوں میں خود کو رائگاں کرتے رہے

آپ نے چھوڑے ہیں جو نقشِ کفِ پا راہ میں
وہ ہمیشہ رہبرِ کارواں کرتے رہے

چھاؤں پانے کی تمنا میں چلے تھے ہم مگر
دھوپ ہی کو اپنے سر پہ سائباں کرتے رہے

زخم تازہ ہر گھڑی لگتا رہا دل پر سعیدؔ
مہربانی اس طرح وہ مہرباں کرتے رہے

**

ہر طرف جلتا ہوا گھر ہے تمہارے شہر میں
کس قدر پُرہول منظر ہے تمہارے شہر میں

لوگ بھی پتھر کے اور یہ بام و در پتھر کے ہیں
پھول بھی گلشن کا پتھر ہے تمہارے شہر میں

چیختے ہیں زرد سناٹے یہاں ہر روز و شب
ہر طرف بیٹھا ہوا ڈر ہے تمہارے شہر میں

چل رہا ہے قتل و خوں ، غارت گری کا سلسلہ
نفرتوں کا ایک لشکر ہے تمہارے شہر میں

کوئی ہے چنگیز تو کوئی ہلاکو ہے یہاں
اک سے اک بڑھ کر ستم گر ہے تمہارے شہر میں

بدعا جس کی لگے گی ظالموں کو اے سعیدؔ
ایک ایسا بھی قلندر ہے تمہارے شہر میں

**

ہمارے بچے خود اپنے اثر میں رہتے ہیں
ہم اجنبی کی طرح اپنے گھر میں رہتے ہیں

بچھڑ چکے ہیں جو رستے میں ہم سفر میرے
وہ اشک بن کے مری چشمِ تر میں رہتے ہیں

بڑے سکون سے رہتے تھے گاؤں میں ہم لوگ
تمہارے شہر کے اب شور و شر میں رہتے ہیں

بنا ہے تاج کبھی اور کبھی اجنتا بھی
کرشمے کتنے ہی دستِ ہنر میں رہتے ہیں

ہمارے شعروں پہ تنقید خوب ہوتی ہے
ہمیشہ اس لیے ہم بھی خبر میں رہتے ہیں

ہے ظلم و جور کا مرکز ہماری ذات سعیدؔ
ہمیشہ ہم یہاں خوف و خطر میں رہتے ہیں

**

سفر کے واسطے جب گھر سے میں نکلتا ہوں
دعا کا سائباں لے کر ہمیشہ چلتا ہوں

دکھوں کے زرد جزیرے میں جن کا مسکن ہے
انھیں کی آنکھوں سے میں اشک بن کے ڈھلتا ہوں

لباس ان کے بدن سے اترنے لگتے ہیں
نظر کا زاویہ جس وقت میں بدلتا ہوں

تمھیں تو اپنے رفیقوں سے بھی عداوت ہے
میں دشمنوں کو بھی ساتھ اپنے لے کے چلتا ہوں

ہر ایک شعر مرا آئینہ دکھاتا ہے
اسی لیے میں نگاہوں میں سب کی کھلتا ہوں

بنا ہے شہر ہدف حادثوں کا جب سے سعیدؔ
امید و بیم کے سایے میں روز پلتا ہوں

**

غریبی میرے بچے کو تو مسکانے نہیں دیتی
کہ مٹی کا کھلونا بھی مجھے لانے نہیں دیتی

ضرورت زندگی کی تنگ کرتی ہے سدا لیکن
انا غیروں کے آگے ہاتھ پھیلانے نہیں دیتی

ملا کرتے ہیں کانٹے ہر قدم پر اپنی راہوں میں
ہمیں اب زندگی پھولوں کے نذرانے نہیں دیتی

کھلے ہیں زخم کی صورت جو میرے گلشنِ دل میں
تمہاری یاد ان پھولوں کو مرجھانے نہیں دیتی

بڑھا دی آپ نے زینت ہماری بزم میں آکر
غزل سننے کی خواہش ہم کو گھر جانے نہیں دیتی

اگرچہ خونِ دل دیتے ہیں اس کو ہم سعیدؔ اکثر
ہمیں یہ شاعری تو پیٹ بھر کھانے نہیں دیتی

**

کوئی موسم بھی ہو اس میں گزارا کرتے رہتے ہیں
ہر اک تلخی زمانے کی گوارا کرتے رہتے ہیں

کہاں تک زندگی گزرے گی اپنی تنگ چادر میں
اگر سر ڈھانپ لوں پاؤں اشارہ کرتے رہتے ہیں

اسے اہلِ خرد دیوانگی کا نام دیں شاید
سجا کر بزمِ اردو ہم خسارہ کرتے رہے ہیں

کبھی رائے نہیں دی آپ نے دل کے جریدے پر
اگرچہ نذر ہم ہر اک شمارہ کرتے رہتے ہیں

یہ مہنگائی ضرورت کو ہمیشہ کاٹ دیتی ہے
کسی صورت مکمل گوشوارہ کرتے رہتے ہیں

ہمارا پیٹ بھر سکتی نہیں یہ شاعری لیکن
یہی اک بھول ہے جس کو دوبارہ کرتے رہتے ہیں

کھڑے ہو کر سعید آب یاس کے تاریک جنگل میں
امیدوں کو چمکتا استعارہ کرتے رہتے ہیں

**

تمہیں تو دوستو! گھر بار کی ضرورت ہے
ہمیں نہ در کی نہ دیوار کی ضرورت ہے

امیرِ شہر کا بڑھنے لگا ہے جور و ستم
قلم کی نوک کو تلوار کی ضرورت ہے

وہ سارے دیش کو گجرات پھر بنائے گا
اسی لیے اسے سرکار کی ضرورت ہے

ضمیر بیچنے والے ہیں آج کثرت سے
ہمارے دور کو کردار کی ضرورت ہے

تمہارے جھوٹ کو ملتی ہے عدل کی مسند
ہمارے سچ کو مگر دار کی ضرورت ہے

بدن کی ناؤ ہے سیلاب کے نشانے پر
اسے بچانے کو پتوار کی ضرورت ہے

یہ ساتھ دیتی ہے ہر دور کا سعیدؔ مگر
غزل کو آج بھی معیار کی ضرورت ہے

**

تعلق کو سلیقے سے نبھانے کی ضرورت ہے
ہمیشہ دوستو! ملنے ملانے کی ضرورت ہے

جہاں سے رزق پاتی ہے ہر اک مخلوق دنیا کی
اسی کے در پہ سر اپنا جھکانے کی ضرورت ہے

خوشی میں لطف آنا ایک فطری بات ہے لیکن
غموں میں بھی ہمیشہ مسکرانے کی ضرورت ہے

وہ کہتے ہیں کسی قاتل کے ہاتھوں سونپ کر گدی
زمینِ ہند کو مقتل بنانے کی ضرورت ہے

بہت شاطر ہے دشمن زیر کرنے کے لیے اس کو
نئی ترکیب کوئی آزمانے کی ضرورت ہے

کہیں سیلاب کا پانی نہ اونچا سر سے ہو جائے
جو سوتے ہیں انھیں پہلے جگانے کی ضرورت ہے

سعیدؔ اس چلچلاتی دھوپ میں نکلے ہو تم گھر سے
تو پھر سر پہ دعا کے شامیانے کی ضرورت ہے

**

شاعری میں جو کبھی آپ نئی بات کریں
یہ ضروری تو نہیں ترکِ روایات کریں

پیار کے گیت سے گونجیں گی فضائیں دل کی
آؤ تقسیم زمانے میں یہ سوغات کریں

شخصیت آپ کی کچھ اور نکھر جائے گی
شرط بس اتنی ہے تطہیرِ خیالات کریں

غم کا موسم بھی ہمیں دیتا ہے خوشیوں کی نوید
رات دن کس لیے پھر شکوۂ حالات کریں

گرچہ سنجیدگی اوڑھے ہوئے رہتے ہیں جناب!
دوستوں سے تو ذرا کھل کے ملاقات کریں

عاجزی شرط ہے اظہارِ طلب میں بھی سعیدؔ
جب رقم ہونٹوں پہ ہم اپنی مناجات کریں

**

غزلیں

رنج و غم کا یا خوشی کا اک جہاں ہے زندگی
کھٹے میٹھے تجربوں کی داستاں ہے زندگی

روشنی دیتی ہے جیسے ہم کو ظلمت کا پتہ
موت کہتے ہیں جسے اس کا نشاں ہے زندگی

دھوپ کے تپتے ہوئے صحرا میں جو جلتا رہا
اس کے حق میں راحتوں کا سائباں ہے زندگی

ایک پل بھی چین کا ملتا نہیں ہے آج کل
رات دن کی کش مکش کے درمیاں ہے زندگی

غم کی ہلکی چوٹ اکثر توڑ دیتی ہے اسے
جیسے نازک آئینے کا اک مکاں ہے زندگی

آج تک یہ فیصلہ میں کر نہیں پایا سعیدؔ
اصل میں نامہرباں یا مہرباں ہے زندگی

**

دھوپ کے صحرا میں کوئی ہم سفر ہوتا نہیں
دور تک رستے میں میرے اک شجر ہوتا نہیں

زندگی مزدور کی فٹ پاتھ پر کٹتی رہی
اس کے حصے میں حصارِ بام و در ہوتا نہیں

پاؤں کے نیچے زمیں رکھتے ہیں سر پر آسمان
ہم فقیروں کا جہاں میں کوئی گھر ہوتا نہیں

روح تک مجروح ہوجاتی ہے اس کے وار سے
ذہن و دل کو حملۂ غم سے مفر ہوتا نہیں

قتل وخوں کرنے میں جس کو لطف آتا ہے بہت
آدمی ہوتا ہے لیکن وہ بشر ہوتا نہیں

ہم خلوصِ دل کے سجدے اب نہیں کرتے سعیدؔ
اس لیے اپنی دعاؤں میں اثر ہوتا نہیں -

**

تکلف بر طرف سچ کا یہاں اعلان کرتا ہوں
اور اس کے جھوٹ کی تردید کا سامان کرتا ہوں

جو مجھ کو پیش کرتا ہے خلوصِ دل کے نذرانے
میں اپنی نقدِ جاں اس کو خوشی سے دان کرتا ہوں

تمہارے ایک لمحے کی رفاقت ہے صدی جیسی
کتابِ زندگی کا میں اسے عنوان کرتا ہوں

سجا کر ہونٹ کی محراب میں شمعیں درودوں کی
منور اپنے دل میں نعت کا ایوان کرتا ہوں

مرا بھارت بنے پھر شانتی اور پیار کا سنگم
رہیں مل جل کے سب اس میں، یہی ارمان کرتا ہوں

اگر چٹان رستہ روکتی ہے اے سعیدؔ اپنا
تو میں سینے میں اس کے وا درِ امکان کرتا ہوں

**

شکریہ کیسے ادا ہو بس یہی ہے دھیان میں
دب گیا ہوں اس قدر میں آپ کے احسان میں

کون جانے کس گھڑی چہرے پہ ہو ان کی نمود
ہے بڑا نازک سا رشتہ آنسو اور مسکان میں

خون جب پینے لگا ہے آدمی کا آدمی
فرق کیا باقی رہا انسان اور حیوان میں

آج کے اس دور میں ہونے لگا اسٹار وار
جنگ اب ہوتی نہیں ہے جنگ کے میدان میں

بیچ آنگن میں اٹھانا چاہی جب اس نے فصیل
اپنا حصہ دے دیا بھائی کو میں نے دان میں

اک نئی صنفِ سخن کا نام دیتے ہیں اسے
ہو کمی بیشی کہیں جب شعر کے ارکان میں

تک رہے ہیں تیز جھونکے اس کو حیرت سے سعیدؔ
اک دیا میں نے جلا رکھا ہے جو طوفان میں

**

جنابِ من! بڑی تاخیر کی تشریف لانے میں
ابھی ٹھہریں ذرا ، جلدی نہ کرنا لوٹ جانے میں

میں رکھتا ہوں مکمل اعتماد اس شخص پر لیکن
سدا مصروف وہ رہتا ہے مجھ کو آزمانے میں

ہماری آنکھ کا دریا چھلکنے پر ہے آمادہ
نکل پڑتے ہیں آنسو اب ذرا سا مسکرانے میں

تجھے ہے درد سے نسبت مجھے ، ہے واسطہ غم سے
یہ قدرِ مشترک ہے تیرے اور میرے فسانے میں

جوانی میں رہا کرتا تھا سرگرمِ سفر اکثر
بڑی تکلیف ہوتی ہے کہیں اب آنے جانے میں

سجاتے ہیں یہاں ہم محفلِ شعر و سخن اکثر
بہت ہی لطف آتا ہے غزل سننے سنانے میں

سعیدؔ اس کی طبیعت میں ہے جذبہ ظلم کا شامل
رہا کرتا ہے وہ مصروف سب کا دل دکھانے میں

* *

نخوت کا گہرا رنگ جو اس کے بیاں میں ہے
رہتا ہے وہ زمیں پہ دماغ آسماں میں ہے

یہ زخم بھی لگاتی ہے تلوار کی طرح
دل جیتنے کا فن بھی تو اپنی زباں میں ہے

جب سے یقیں کی سلطنت اس کی بکھر گئی
وہ خاک چھانتا ہوا دشتِ گماں میں ہے

جس کو جلایا تھا مرے اسلاف نے کبھی
روشن وہی چراغ ابھی تک جہاں میں ہے

اونچی حویلیوں میں ٹھہرتا نہیں کبھی
آرام کی سبیل بس اپنے مکاں میں ہے

آواز کے ہجوم میں رہتا ہوں میں سعیدؔ
تنہائیوں کا درد مرے شہرِ جاں میں ہے

**

سب کے ہاتھوں میں ہے خنجر کیا کروں
خون آلودہ ہے منظر کیا کروں

دھوپ کا لشکر ہے میرے سامنے
موم کی تلوار لے کر کیا کروں

روشنی ہونے لگی دہشت زدہ
تیرگی ہے حملہ آور کیا کروں

آج کا انسان بھی تو فطرتاً
بن چکا ہے ایک پتھر کیا کروں

میرے آگے قاتلوں کی ٹولیاں
اور پیچھے ہے ستم گر کیا کروں

میں اِدھر ہوں اور ہو اُس پار تم
بیچ میں حائل سمندر کیا کروں

دال روٹی کے لیے اب تو سعیدؔ
رات دن چلتا ہے چکر کیا کروں

**

آپ کی سخن سنجی ہر نظر میں کامل ہے
اہلِ فن میں اونچا اک مرتبہ بھی حاصل ہے

درمیاں ہمارے جو آپ کے آ کے بیٹھے ہیں
آج کتنی با رونق شاعری کی محفل ہے

لوگ دیکھ لیتے ہیں اپنے اپنے چہرے کو
لفظ لفظ غزلوں کا آئینہ مماثل ہے

حرفِ حق کی ہوتی ہے اب کہاں پذیرائی
ہر طرف زمانے میں آج زورِ باطل ہے

ہو رہی ہے پھر سازش ہم کو ختم کرنے کی
اور اپنی ملت کا فرد فرد غافل ہے

دشمنوں کے خیمے میں جشن ہے اسی خاطر
آج میرا بھائی ہی جب مرے مقابل ہے

اے سعیدؔ ہوتا ہے جن سند کا بٹوارہ
دیکھتا نہیں کوئی کون کتنا قابل ہے

**

ہر لمحہ آدمی کو مغموم کر رہا ہے
خوشیوں کی سبز رت سے محروم کر رہا ہے

احساس کی زمیں میں نفرت کے بیج بو کر
دل کی فضاؤں کو وہ مسموم کر رہا ہے

کھلتے نہیں دریچے اس کی سماعتوں کے
فریاد کب سے لیکن مظلوم کر رہا ہے

مشرق کی سرزمیں پر وہ بھیجتا ہے فوجیں
آزاد جو ہیں ان کو محکوم کر رہا ہے

دیکھا سعیدؔ میں نے ہر بھول کو ہمیشہ
میرے ہی نام سے وہ موسوم کر رہا ہے

**

موم کا جسم لیے دھوپ میں چلنا سیکھو
وقت کے ساتھ ذرا خود کو بدلنا سیکھو

لوگ محفوظ جزیرے میں رہا کرتے ہیں
تم مسائل کے سمندر میں نکلنا سیکھو

جن پہ چلتے ہوئے خطروں کا گماں ہوتا ہے
یہ ضرورت ہے کہ ان راہوں پہ چلنا سیکھو

وہ اگر چاہے تو گلزار بنا سکتا ہے
درد کے تیز الاؤ میں بھی جلنا سیکھو

جھوٹ کا سکہ چلاؤ گے جہاں میں کب تک
سچ کے سانچے میں یہی وقت ہے ڈھلنا سیکھو

زہر نفرت کا اگلتے ہیں جو یہ ناگ سعیدؔ
اپنے جوتوں تلے سر ان کا کچلنا سیکھو

**

وہ کہتا ہے کہ اس کے واسطے خنجر ضروری ہے
نظر کے سامنے اک خوں چکاں منظر ضروری ہے

بہت سی الجھنیں ہیں آج کل اونچے مکانوں میں
سکوں کے واسطے چھوٹا سا مجھ کو گھر ضروری ہے

بھروسہ قوتِ بازو پہ اپنی جو نہیں کرتا
محاذِ جنگ میں اس کے لیے لشکر ضروری ہے

یہی ہے فرق اس کے اور میرے درمیاں حائل
مجھے ہے پھول کی چاہت اسے پتھر ضروری ہے

ابھی تو پر نہیں نکلے میاں پھر بھی اچھلتے ہو
بلندی پر اڑانوں کے لیے شہپر ضروری ہے

سعیدؔ اس آستیں کے سانپ سے غافل نہیں رہنا
اسے قابو میں کرنے کے لیے منتر ضروری ہے

**

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

جس کو سمجھا تھا کہ ہے اعلیٰ بہت کردار میں
پست وہ نکلا شرافت کے ہر اک معیار میں

ان بدلتے منظروں کو دیکھ کر حیران ہوں
کتنی تیزی آگئی ہے وقت کی رفتار میں

قتل وخوں ، غارت گری اور ہر طرف دنگے فساد
بس یہی ہوتی ہیں خبریں آج کل اخبار میں

کاٹ اک تلوار کی اس کے مقابل کچھ نہیں
تیز تر نوکِ قلم ہوتی ہے اپنی دھار میں

سرپھری آندھی نے آ کر لکھ دیا تھا جو کبھی
اس کی ہر تحریر باقی ہے در و دیوار میں

میرا ہر اک لفظ مثلِ آئینہ ہے اے سعیدؔ
زندگی کا عکس روشن ہے مرے اشعار میں

**

ستم کا دور ابھی ہم پہ آنے والا ہے
ہمارے ذہن پہ کیوں بے حسی کا تالا ہے

ملی ہے چھوٹ فسادوں کی اہلِ نفرت کو
یہ رام راج کا دستور بھی نرالا ہے

ہمارے مدرسے الفت کا درس دیتے ہیں
تمہارے پاس عداوت کا پاٹھ شالہ ہے

منارے نور کے بکھرے ہیں دیش میں اپنے
ہمارے پرکھوں کا روشن ہر اک حوالہ ہے

لکھی ہے ہم نے جو تاریخ آج تک اپنی
ہر ایک صفحے پہ تہذیب کا اجالا ہے

سمجھ کے پھینکے وہ پتھر سعیدؔ اوروں پر
جو آئینے کی حویلی میں رہنے والا ہے

**

دھوپ کی راہوں میں کوئی ہم سفر ہوتا نہیں
راحتوں کی چھاؤں کا دل کش شجر ہوتا نہیں

اپنے اپنے خول میں رہنے لگے ہیں بند سب
جتنے گھر ہیں ان کی دیواروں میں در ہوتا نہیں

بھیڑ میں لوگوں کی حالت دیکھ کر حیران ہوں
جسم تو رکھتے سبھی ہیں اس پہ سر ہوتا نہیں

حادثوں کی زد میں روز و شب گزرتے ہیں یہاں
پتھروں کے شہر میں شیشے کا گھر ہوتا نہیں

لوگ جتنی بھی کریں اس کی پذیرائی مگر
بے ہنر ہوتا ہے جو وہ باہنر ہوتا نہیں

راہِ حق میں جان دینے کا ارادہ جس میں ہے
اس کے دل میں پھر کسی بندے کا ڈر ہوتا نہیں

وہ اکڑتا ہے بہت جھوٹی ستائش پر سعیدؔ
اس کے شعروں میں جمالِ فن مگر ہوتا نہیں

**

میرے شعروں میں انوکھے استعارے آ گئے
یا اتر کر چرخ سے روشن ستارے آ گئے

ہیں وہی مہنگائیاں ، چوری ، ڈکیتی ، قتل و خوں
پھر بھی وہ کہتے ہیں اچھے دن ہمارے آ گئے

فائدے کی بات وہ اپنے لیے کرتے رہے
اور ہماری زندگانی میں خسارے آ گئے

خوابِ غفلت میں ابھی تک ہیں مری بستی کے لوگ
گھر تلک سیلِ رواں کے تیز دھارے آ گئے

دیکھ کر مجھ کو اکیلا جنگ کے میدان میں
جو مرے دشمن تھے وہ سارے کے سارے آ گئے

جن کی چوکھٹ سے نہیں لوٹا کوئی خالی سعیدؔ
ان کے در پہ ہم اپنا دامن پسارے آ گئے

**

سوانحی خاکہ

- اصل نام : محمد سعید
- قلمی نام : سعید رحمانی
- تاریخ پیدائش : 25/جون 1936ء
- مقام پیدائش : مٹیا برج (کولکاتا)
- ولدیت : حضرت مولانا محمد فضل الرحمٰن (مرحوم)
- تعلیم : گریجویشن 1958ء
- ملازمت : ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
- ادبی زندگی کا آغاز : 1954ء
- پہلی نظم کی اشاعت : بچوں کے رسالہ "چاند" ناگپور کے سالنامہ مطبوعہ 1954ء
- تلمیذ : حضرت امجد نجمی مرحوم اور علامہ شارق جمال ناگپوری مرحوم
- صحافتی خدمات : صدائے اڑیسہ، ہفت روزہ سہارا (بھوبنیشور)، اڑیسہ اردو اکاڈمی کا ترجمان "فروغِ ادب" اور اردو روزنامہ "آج تک" کی مجلس ادارت سے وابستگی رہی ہے۔
- ادبی اداروں کی رکنیت : سابق رکن اڑیسہ اردو اکاڈمی جنرل کاؤنسل،
صدر انجمن ترقی اردو کٹک
صدر فیضانِ ادب (کٹک)

- تصنیفات : (1) روشن عبارت (نعتوں اور غزلوں کا مجموعہ) مطبوعہ 1995ء
(2) رحمتوں کا سائباں (نعتیہ کلام) مطبوعہ 2000ء
(3) حرفِ سخن (غزلیات) (4) شناسا چہرے (مضامین)
(5) دربارِ مصطفیٰ میں (نعتیہ مجموعہ)
(6) قاشیں (قطعات، رباعیات، ماہیے، اور ہائیکو)
نقد و نظر (تبصرے)۔
- دیگر ادبی مشغلے : تین سو سے بھی زائد مضامین مختلف اخبارات و رسائل کی زینت بن چکے ہیں۔ یہ مضامین ادبی، سیاسی، تاریخی، جغرافیائی، سائنسی اور کھیل کود پر مبنی ہیں۔
- موجودہ مشغلہ : مدیر ادبی محاذ (کٹک) اور
دو کتابی سلسلے "ایک شاعر ایک غزل" اور ایوانِ نعت۔
- سابق پتہ : بالمقابل بیگم مسجد، R-90/ اکوا روڈ، مٹیابرج،
کلکتہ 024 700 (مغربی بنگال)
- حالیہ پتہ : ایڈیٹر ادبی محاذ، دیوان بازار، کٹک 753001 (اڑیسہ)
- ای میل : sayeedrahmani@gmail.com

**

FAASLON KA MAUSAM

Saeed Rahmani

West Bengal Urdu Academy
Minority Affairs & Madrasah Education Department,
Govt. of West Bengal
75/2A, Rafi Ahmed Kidwai Road, Kolkata - 700016

ISBN 978-93-84286-36-1

9 789384 286361

Edition : 2016
Price : 106/-

اپنے کردار کی پہچان بدل دیتے ہیں
ایسے کچھ لوگ ہیں، ایمان بدل دیتے ہیں

جن کی تکمیل کی صورت نہیں نکلی اب تک
آج ہم دل کے وہ ارمان بدل دیتے ہیں

ساتھ دیتے ہیں ہمارا جو خوشی میں پیہم
دکھ میں نظریں وہی انسان بدل دیتے ہیں

ریل گاڑی کے سفر میں یہ ہوا ہے اکثر
لوگ بیٹھے ہوئے سامان بدل دیتے ہیں

خونِ دل سے جو جلاتے ہیں عزائم کے چراغ
آمدِ شب کا وہ امکان بدل دیتے ہیں

آج کے لوگوں میں دیکھی ہے مہارت اتنی
کتنی آسانی سے پہچان بدل دیتے ہیں

کرتے ہیں شعروں میں ایجاد کا دعویٰ جو سعیدؔ
اپنی مرضی سے وہ ارکان بدل دیتے ہیں

**

مجھ سے ملنے کے لیے جو شخص استادہ ملا
وہ بھی میرے قتل کی سازش میں آمادہ ملا

منزلوں کی جستجو میں ایسا اک جادہ ملا
اک شناسا بھی جہاں پر دور افتادہ ملا

یہ ہوا محسوس مفلس ماں کا بچہ دیکھ کر
خواہشوں کی سلطنت کو جیسے شہزادہ ملا

رہ گیا یوں بھی ادھورا آرزوؤں کا سفر
مجھ کو ہر اک موڑ پر گمراہ کن جادہ ملا

جن کو رنگیں کر رکھا تھا میں نے اپنے خون سے
ان کتابوں کا سعیدؔ اک اک ورق سادہ ملا

**

خلوص اپنا لیے ملتے ہیں فن کاری نہیں کرتے
ہم اپنے دوستوں کے ساتھ مکاری نہیں کرتے

لٹا دیتے ہیں جان و دل محبت کرنے والوں پر
کبھی ہم جذبِ الفت کی خریداری نہیں کرتے

جنھیں عادت ہے گرگٹ کی طرح رنگت بدلنے کی
وہ اپنے دوستوں سے بھی وفاداری نہیں کرتے

ہمارا سر کبھی جھکتا نہیں ہے غیر کے آگے
کبھی ہم اختیار اندازِ درباری نہیں کرتے

ہمیشہ جھوٹ سے لڑتا رہا ہوں میں تنِ تنہا
جو سچے لوگ ہیں میری طرف داری نہیں کرتے

لہو دے کر جسے شاداب کرنا اپنا مسلک ہے
ہم اپنے دیش کی مٹی سے غداری نہیں کرتے

متانت سے سعیدؔ اپنی غزل کو پیش کرتے ہیں
اداکاری نہیں آتی ، اداکاری نہیں کرتے

**

جملہ حقوق بحق
مغربی بنگال اردو اکاڈمی
۷۵/۲-اے، رفیع احمد قدوائی روڈ، کلکتہ-۷۰۰۰۱۶

کتاب کا نام	:	فاصلوں کا موسم
مصنف	:	سعید رحمانی
صفحات	:	164
سالِ اشاعت	:	2016
تعدادِ اشاعت	:	500
کمپوزنگ	:	طلعت جبین
مطبع	:	وکٹوریہ پرنٹرس اینڈ ایسوسی ایٹس
		77/1B، اے پی سی روڈ، کولکاتا-9

FAASLON KA MAUSAM

By : **SAYEED RAHMANI**

ISBN 978-93-84286-36-1

Edition : 2016

Published by : **West Bengal Urdu Academy**

75/2A, Rafi Ahmed Kidwai Road,

Kolkata - 700 016

حقیقت پیش منظر کی پسِ منظر بتا دے گا
تمہارے دل میں کیا ہے ہاتھ کا پتھر بتا دے گا

دلوں کی آگ کو دنیا سے تم کب تک چھپاؤ گے
ہمارے شہر کا جلتا ہوا منظر بتا دے گا

پڑوسی کتنی ہم دردی کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں
تمہیں جلتا ہوا میرا شکستہ گھر بتا دے گا

تم اپنے جرم پہ پردہ کہاں تک ڈال پاؤ گے
کسی معصوم سینے میں گڑا خنجر بتا دے گا

اجالوں کے سپاہی میں جو ایمانی حرارت ہے
اندھیری رات کا ہارا ہوا لشکر بتا دے گا

کریں گے آپ ٹکڑے چاند کے انگلی کی جنبش سے
انھیں بوجہل فوراً ایک جادوگر بتا دے گا

سعیدؔ اپنی اڑانوں کی حدیں تم کو بتاؤں کیا
مری پرواز کا نقطہ مرا شہپر بتا دے گا

**

میر و غالب کو غزل کا راہبر کہتا ہوں میں
ان کے ہر اک لفظ کو شمس و قمر کہتا ہوں میں

بال و پر ہوتے ہوئے پرواز کی ہمت نہیں
ایسے پنچھی کو سدا بے بال و پر کہتا ہوں میں

پھول جاتا ہے خوشی سے سن کے میری بات وہ
اس کے عیبوں کو اگر لفظِ ہنر کہتا ہوں میں

زندگی کی تیزگامی کا مجھے احساس ہے
مختصر سنتا بھی ہوں اور مختصر کہتا ہوں میں

سن کے میری شاعری کیوں منہ بناتے ہیں حضور!
اپنے شعروں کو بھلا کب معتبر کہتا ہوں میں

زندگی میں چین کے دو پل جو ملتے ہیں سعیدؔ
اس کو پرکھوں کی دعاؤں کا اثر کہتا ہوں میں

**

مدت خوشی کی دیکھیے کتنی قلیل ہے
لیکن غموں کا سلسلہ بے حد طویل ہے

موسم ہے دھوپ چھاؤں کا اپنی یہ زندگی
میری غزل میں اس کا ہی عکسِ جمیل ہے

آتے نہیں خوشی کے پرندے کبھی ادھر
یہ زندگی تو کرب کی اک گہری جھیل ہے

وہ اپنی شخصیت کے حصاروں میں ہے کھڑا
اور اس کے چاروں سمت انا کی فصیل ہے

جس راہ پر بھی جاؤں مرے انتظار میں
ہر اک قدم پہ نصب اذیت کی کیل ہے

میں اپنے راستے کا مسافر ہوں اے سعیدؔ
جس میں نہ کوئی راہ نما سنگِ میل ہے

**

آج تک اس نے کسی کو فیض پہنچایا نہیں
اک سمندر ہو کے بھی کیوں اس قدر گہرا نہیں

قربتوں کے درمیاں بڑھنے لگا ہے فاصلہ
ہاتھ تو ملتے ہیں لیکن دل سے دل ملتا نہیں

وہ مجھے ہر روز لگتا ہے نیا اک آدمی
کل جو اک چہرا تھا اس کا آج وہ چہرہ نہیں

صرف مٹی کے کھلونوں سے بہل جاتا تھا جو
اب ہمارے دَور میں ایسا کوئی بچہ نہیں

سب کی نظروں میں وہ کب سے کھو چکا اپنا وقار
سب کو یہ معلوم ہے وہ آدمی سچا نہیں

ایک چھوٹا سا ہوں شاعر یہ مجھے تسلیم ہے
اس لیے اس کی کسوٹی پر کھرا اترا نہیں

اس کے بارے میں مجھے کیا پوچھتے ہو تم سعیدؔ
شاعری کرتا ہے اچھی ، آدمی اچھا نہیں

**

تباہ ہاتھوں سے خود اپنی زندگی کرلی
جو بھائی بھائی نے آپس میں دشمنی کرلی

اکیلا میں ہی مخالف کھڑا رہا لیکن
یزیدِ شہر سے لوگوں نے دوستی کرلی

مرے پڑوسی کا تاریک ہوگیا چہرہ
جو میں نے کمرے میں اک بوند روشنی کرلی

کسی غریب کی آنکھوں سے پونچھ کر آنسو
ادا کبھی کبھی میں نے بھی بندگی کرلی

اُگا کے چاند خیالوں کا اپنے کمرے میں
محیط چاروں طرف میں نے چاندنی کرلی

اچھالے لوگوں نے پتھر سعیدؔ میری طرف
مثالِ آئینہ جب میں نے شاعری کرلی

**

یہ وقت زندہ رہنے کے اسباب لے گیا
آنکھوں سے میری چھین کے ہر خواب لے گیا

آندھی نے جھونپڑی مری آ کر اجاڑ دی
جو کچھ بچا ہوا تھا وہ سیلاب لے گیا

گزرا جو ایک سال تو وہ اپنے ساتھ ساتھ
میری کتابِ زیست سے اک باب لے گیا

اپنوں کے ہاتھوں لٹنے کا دل میں ہوا جو شوق
فوراً مجھے وہ کوچۂ احباب لے گیا

طوفاں سے بچ کے آ گئی کشتی مری مگر
اس کو ڈبونے کے لیے گرداب لے گیا

تاروں نے ان کے چہرے سے کرنوں کی بھیک لی
اور کچھ اجالا مانگ کے مہتاب لے گیا

شیریں بیانی جس کی تھی مشہور اے سعیدؔ
لہجے میں اپنے گھول کے تیزاب لے گیا

**

مٹھاس باتوں میں تم اپنی گھول کر دیکھو
کسی سے پیار کے دو لفظ بول کر دیکھو

ملے گی تازہ ہواؤں کی خوش گوار مہک
دریچے اپنے مکانوں کے کھول کر دیکھو

ہو گفتگو کا ارادہ تو یہ ضروری ہے
تم اپنی باتوں کو پہلے ہی تول کر دیکھو

جو کرنا چاہو بیاں دوسروں کا عیب کبھی
تو اپنے دل کو ذرا سا ٹٹول کر دیکھو

ہزاروں الجھنیں سہنا پڑیں گی تم کو سعیدؔ
کسی سے دشمنی اک بار مول کر دیکھو

**

لہو لہو نظر آنے لگا ہے منظر کیوں
ہر ایک آنکھ میں بیٹھا ہے اجنبی ڈر کیوں

جلا رہے ہیں گھروں کو جو سوچتے ہی نہیں
زمین اپنی نظر آ رہی ہے بنجر کیوں

محاذِ جنگ پہ تنہا کھڑا ہوں میں لیکن
تو لے کے آیا ہے ہمراہ ایک لشکر کیوں

سبھوں کو دعویٰ ہے پھولوں سے دوستی کا مگر
ہر ایک ہاتھ میں اٹھا ہوا ہے پتھر کیوں

جو دے رہے تھے اخوت کا درس دنیا کو
انھیں کے بیچ یہ جھگڑا ہے آج گھر گھر کیوں

مجھے بچھڑنے کا اس سے اگر ملال نہیں
تو میری آنکھوں میں اشکوں کا یہ سمندر کیوں

تھی جس کی شیریں بیانی کبھی مثال سعیدؔ
بنا رہا ہے وہ اپنے سخن کو نشتر کیوں

**

غزل کا لفظ بڑی آن بان رکھتا ہے
ہر ایک شعر میں دیگر جہان رکھتا ہے

مری زبان سے سچ بات کب نکل جائے
وہ کھینچ کر مری جانب کمان رکھتا ہے

حصارِ ذات میں ہے قید فرد فرد ابھی
کسی کے دکھ پہ یہاں کون دھیان رکھتا ہے

پلٹ کے آنا ہے اس کو زمین کے نیچے
بلندیوں پہ جو اپنی اڑان رکھتا ہے

ہے اس کے بچوں میں تہذیب سے شناسائی
مکاں میں اپنے وہ اردو زبان رکھتا ہے

سعیدؔ یوں تو پچھتر برس کا ہے لیکن
وہ اپنے حوصلے پھر بھی جوان رکھتا ہے

**

اونچے مکاں میں ہنستے اجالے مجھے ملے
اور جھونپڑی میں چیختے نالے مجھے ملے

میں نے کتابِ زندگی دیکھی جو کھول کر
ہر اک ورق پہ غم کے مقالے مجھے ملے

نعمت سمجھ کے شوق سے کھاتا رہا سدا
روٹی کے جو بھی سوکھے نوالے مجھے ملے

رکھتے تھے آستینوں میں خنجر چھپا کے وہ
جو زندگی میں چاہنے والے مجھے ملے

کس کس کا وصف کیسے کروں آپ سے بیاں
میرے سبھی رفیق نرالے مجھے ملے

ترتیب

- اپنی بات 06
- حمد/مناجات/نعت 07
- غزلیں 15

وہ کہتا ہے کہ اس کے واسطے.....	16	اپنے کردار کی پہچان.....	17
مجھ سے ملنے کے لیے.....	18	خلوص اپنا لیے ملتے ہیں.....	19
حقیقت پیش منظر کی.....	20	میر و غالب کو غزل کا راہبر.....	21
مدت خوشی کی دیکھیے.....	22	آج تک اس نے کسی کو.....	23
تباہ ہاتھوں سے خود اپنی.....	24	یہ وقت زندہ رہنے کے.....	25
مٹھاس باتوں میں تم.....	26	لہولہو نظر آنے لگا ہے.....	27
غزل کا لفظ بڑی آن بان.....	28	اونچے مکاں میں ہنستے.....	29
خود سے اپنے پاؤں پر جو.....	31	وہ امیرِ شہر کے جب سے.....	32
اپنے ہی لوگ حرفِ بے داد.....	33	زخم کے پھول مرے.....	34
خامشی کے شہر میں.....	35	ہوا شہروں سے ہو کر.....	36
خدا کے نام سے آغاز.....	37	ہجوم شہر کے پرشور.....	38
وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ.....	39	ہم اپنی مفلسی کو.....	41
کیسے وہ لوگ تھے جو.....	42	وقت کے گرداب میں.....	43
مری قسمت پہ اللہ کی.....	44	مجھے پورا بھروسہ ہے.....	45
دلوں میں زہر نفرت کا.....	46	جذبہ محبتوں کا مفقود ہو گیا.....	47
کبھی جب چھاؤں کی.....	48	کچھ ایسے لوگ جو.....	49
سچائیوں کا آج جو.....	50	الفت کی رہ گزر سے جو.....	51
نظر میں سب کی وہی.....	52	غزل رکھتی ہے اپنے آپ.....	53
مرا ہر شعر مثبت سوچ کا.....	54	ہمیشہ جھوٹ جو کہتا رہا.....	55
دھوپ کے دشت میں جو.....	56	خوشی کا سبز موسم مستقل.....	57

اونچی عمارتوں کے تھے شفاف بام و در
کٹیا میں بھوک پیاس کے جالے مجھے ملے

جس چیز کو میں ڈھونڈتا رہتا تھا بار بار
لفظِ غزل میں اس کے حوالے مجھے ملے

کل تک جو بولتے تھے بہت زور شور سے
ان کی زباں پہ آہنی تالے مجھے ملے

دریا بجھا نہ پایا مری تشنگی سعیدؔ
ساحل پہ آ کے خالی پیالے مجھے ملے

**

خود سے اپنے پاؤں پر جو بھی کھڑے ہوتے نہیں
قد اگر اونچا بھی ہو تو وہ بڑے ہوتے نہیں

جو فقیری میں بھی کرتے ہیں شہنشاہی یہاں
ان کے ملبوسات میں موتی جڑے ہوتے نہیں

اس طرح بکھرا نہ ہوتا گھر کا شیرازہ کبھی
دشمنوں کی صف میں جب اپنے کھڑے ہوتے نہیں

بھائی بھائی کی طرح مل جل کے رہتے ہم اگر
آج ہر اک قوم سے پیچھے پڑے ہوتے نہیں

دو قدم وہ بھی بڑھاتے دو قدم ہم بھی سعیدؔ
بیچ میں نفرت کے کانٹے یوں گڑے ہوتے نہیں

**

وہ امیرِ شہر کے جب سے مصاحب ہو گئے
نامناسب لوگ تھے لیکن مناسب ہو گئے

اس لیے کرتا نہیں کوئی بڑوں کا احترام
ذہن سے خارج سبھی حفظِ مراتب ہو گئے

جن کے عیبوں کی ہمیشہ پردہ پوشی میں نے کی
دیکھتا ہوں آج وہ میرے مخالف ہو گئے

شک کی دیواریں دلوں کے درمیاں سے ہٹ گئیں
جب اُدھر والوں سے جا کر ہم مخاطب ہو گئے

دل شکن حالات کے نرغے میں مجھ کو دیکھ کر
دور مجھ سے میرے سب خویش و اقارب ہو گئے

کامیابی نے لیے بوسے قدم کے اے سعیدؔ
حوصلے دل کے مری قسمت کے کاتب ہو گئے

**

اپنے ہی لوگ حرفِ بے داد ہو گئے ہیں
ہم اپنی زندگی میں برباد ہو گئے ہیں

انسانیت کا دعویٰ کل تک جو کر رہے تھے
فطرت سے آج وہ بھی جلاد ہو گئے ہیں

ان کی درندگی سے احساس ہو رہا ہے
ہم پھر سے جنگلوں میں آباد ہو گئے ہیں

ہم نے تو فاعلاتن سیکھا نہیں ابھی تک
وہ چند شعر کہہ کے استاد ہو گئے ہیں

اتنا اثر ہوا ہے حق بات سن کے میری
کچھ لوگ شاد ہیں ، کچھ ناشاد ہوگئے ہیں

میں نے سعیدؔ اکثر محسوس یہ کیا ہے
شاعر جو ہو نہ پائے نقاد ہو گئے ہیں

**

زخم کے پھول مرے دل میں کھلانے والا
اپنے آنگن سے یہ موسم نہیں جانے والا

ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہیں سبھی لوگ مگر
ایک بھی فرد نہیں دل کو ملانے والا

مجھ کو آتا ہی نہیں باتیں بنانے کا ہنر
میں نے سیکھا نہیں انداز زمانے والا

سنگ ساری کی سزا مجھ کو ملی تھی لیکن
آگے بڑھتا نہیں پتھر کو اٹھانے والا

دل کے ہر درد کو لوگوں سے چھپا لیتا ہے
اپنے ہونٹوں کو تبسم سے سجانے والا

میٹھی باتوں کی میں امید رکھوں کیسے سعیدؔ
تلخ لہجے کا وہ ہے تیر چلانے والا

**

خامشی کے شہر میں اپنی صدا رکھتے ہیں ہم
اور اب مظلوم پر حرفِ نوا رکھتے ہیں ہم

وقت کا منصف بھی شاید اس لیے ناراض ہے
حق بیانی کو ہمیشہ برملا رکھتے ہیں ہم

آندھیوں کے راستے میں آزمائش کے لیے
حوصلوں کا اک دیا اکثر جلا رکھتے ہیں ہم

آپ ہیں ظلِ الٰہی کے مصاحب ، اس لیے
آپ سے ملنے میں تھوڑا فاصلہ رکھتے ہیں ہم

دوسروں کی عیب جوئی کا کوئی چسکا نہیں
اپنے آگے اس لیے اک آئینہ رکھتے ہیں ہم

جب کبھی خواہش ہو ملنے کے لیے آ جایئے
اپنے مہمانوں کی خاطر در کھلا رکھتے ہیں ہم

سنتِ محبوبِ رب پیشِ نظر ہے اے سعیدؔ
اپنے دشمن کے لیے حرفِ دعا رکھتے ہیں ہم

**

ہوا شہروں سے ہو کر آ رہی ہے
ہمارے گاؤں کو بہکا رہی ہے

دھندلکے شام کے بڑھنے لگے ہیں
اجالوں کی سواری جا رہی ہے

غریبی مستقل مہمان بن کر
مرے بچوں کی خوشیاں کھا رہی ہے

بموں کے وہ دھماکے کر رہے ہیں
سزائیں نسل اپنی پا رہی ہے

کوئی سنتا نہیں شہرِ صدا میں
خموشی دیر سے چلا رہی ہے

سعیدؔ ان کی حسیں یادوں کی خوشبو
مرے ہر لفظ کو مہکا رہی ہے

**

خدا کے نام سے آغاز ہر اک کام کرتے ہیں
منور اس طرح ہم اپنی صبح و شام کرتے ہیں

مسلسل اندھیوں میں جو جلاتے ہیں چراغ اپنا
وہی بے شک جہاں میں اپنا روشن نام کرتے ہیں

اِنھیں بچوں کو لڑنا ہے ستم کی دھوپ سے اک دن
ابھی جو ماںتا کی چھاؤں میں آرام کرتے ہیں

عداوت کے سلگتے منظروں کے درمیاں رہ کر
محبت کے حسیں جذبات کو ہم عام کرتے ہیں

جو خود کو بیچ دیتے ہیں بکاؤ مال کی صورت
وہی اپنے قلم کی آبرو نیلام کرتے ہیں

گھروں میں آگ نفرت کی لگا کر وہ سعیدؔ اکثر
ہماری ذات ہی کو موردِ الزام کرتے ہیں

**

ہجومِ شہر کے پرشور ہنگاموں میں رہتا ہوں
مگر محسوس یہ ہوتا ہے مجھ کو پھر بھی تنہا ہوں

یزیدِ وقت کی سازش کا ہے یہ بھی اثر شاید
لبِ دریا بھی رہ کر میں وہی پیاسا کا پیاسا ہوں

غریبی نے مرے گھر میں پڑاؤ جب سے ڈالا ہے
میں اپنوں کی نگاہوں میں بھی اب لگتا پرایا ہوں

ستم کی دھوپ سے بچنے ٹھہر جاتے ہیں لوگ اکثر
تناور پیڑ کا سب کے لیے محفوظ سایہ ہوں

تمہارے شہر میں آ کر یہی محسوس ہوتا ہے
یہاں سب لوگ سچے ایک جھوٹا میں اکیلا ہوں

سعیدؔ اس سے مہک اٹھیں دلوں کی وادیاں شاید
خلوص و مہر کی خوشبو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔

**

وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اونچائیاں ملیں
بونوں کو مجھ سے جب نئی بیساکھیاں ملیں

دشمن نے سازشیں تو رچی تھیں بہت مگر
اس کے تمام حربوں کو ناکامیاں ملیں

میں دوستی کے شہر میں آیا تھا شوق سے
لیکن عداوتوں کی یہاں کھائیاں ں ملیں

نفرت کی آگ چاٹ گئی ہر مکان کو
خاک اور خوں میں ڈوبی ہوئی بستیاں ملیں

تہذیب کے اجالوں سے.....	59	سستی برتنے والوں کا.....	60
رشتے خلوص کے اب.....	61	جھوٹ کہنے والے کو.....	62
خدا کی ذات پہ ہم.....	63	فضائے شہر کو وہ.....	64
بڑے خلوص سے جھک کر.....	65	دورخی لوگوں کے مشکوک.....	66
وہ بچے نیک ہیں جو.....	67	مسلکوں کی بھیڑ کا.....	68
وقت کے پنوں پہ خونی.....	69	پیڑ کی چھاؤں میں رہنے کو.....	70
وہ انکسار کی روشن.....	71	ہنسنے والا آدمی بھی	72
پھول کا حسن تو خوشبو.....	73	دل کے ورق ورق پر.....	74
ساری مصیبتیں وہ خود.....	75	مسلسل حادثوں کے درمیاں.....	76
طوفان سر اٹھاتے ہیں.....	77	اپنے مزاج سے وہ.....	78
ان کے الزام بھی.....	79	اسے خبر نہیں موسم کا.....	80
آج کل کی دوستی کے.....	81	دیش کی دھرتی جہاں میں.....	82
جلا رہے ہیں یہاں لوگ.....	83	تارے نہیں تو کیا ہوا.....	84
اذانِ صبح سے مسجد کی.....	85	نفرت کا زہر ہر سو گھلتی.....	86
غزل کو اپنی میں نے.....	87	محرومیت پہ کس لیے.....	89
پرائے درد کو مہمان.....	91	قاتلوں کو چھوٹ حاصل ہے.....	92
غمِ سود و زیاں سے خود کو.....	93	اپنے خالق سے زباں پر.....	94
ہے کبھی پے چیدہ تر.....	95	راحتوں کے سبز موسم کا.....	96
جو عالم بے بسی کا.....	97	مسلسل حادثوں کی زد میں.....	98
ہماری تشنگی کا وہ حوالہ.....	99	تہذیب کا شائستہ ہر باب.....	100
کسی صورت ہم اپنا فکر.....	101	درندوں کے نگر میں آپ.....	102
بدلنی ہے کسی صورت.....	103	جو زندگی کے سنہرے	104
مہربانی اس طرح کچھ.....	105	سوچ رہا ہوں بیٹھے بیٹھے.....	106
وہ اپنی ذات کے اندھے.....	107	آج کے اس دور کا.....	108
اپنا فرمایا ہوا وہ.....	109	دشمنی کا بول بالا.....	110
مصیبت میں سہارا اب.....	111	وہی انسان اچھے جو.....	112

یادِ خدا کو ہم سفر اپنا بنا لیا
جب بھی رہِ حیات میں تنہائیاں ملیں

صحرا نشیں جو فاتحِ عالم تھے کل تلک
ان کو ہر اک محاذ پہ پسپائیاں ملیں

دشواریوں کے دشت میں لمبے سفر کے بعد
پلکیں بچھائے راہ میں آسانیاں ملیں

سادہ غزل کا لفظ تھا لیکن مجھے سعیدؔ
باطن میں دور تک بڑی گہرائیاں ملیں

**

ہم اپنی مفلسی کو شاہانہ بولتے ہیں
چھوٹی سی جھونپڑی کو کاشانہ بولتے ہیں

معیار زندگی کا کتنا بدل چکا ہے
رشوت کو لوگ اب تو نذرانہ بولتے ہیں

سچائی اک حقیقت پہلے تھی عام لیکن
اس دور میں اسے ہم افسانہ بولتے ہیں

تقسیم کر رہا ہوں خوشبو محبتوں کی
اس واسطے مجھے سب دیوانہ بولتے ہیں

حالات ہو گئے ہیں میرے خلاف جب سے
اپنے ہی لوگ مجھ کو بیگانہ بولتے ہیں

رٹتا ہے وہ سدا ہی مفعول فاعلاتن
شعر و سخن کا جس کو پیمانہ بولتے ہیں

میں بھی سعیدؔ اپنی پہچان کھو چکا ہوں
اس شہر میں مجھے سب انجانہ بولتے ہیں

**

کیسے وہ لوگ تھے جو کانٹے بچھانے نکلے
ہم تو راہوں میں فقط پھول کھلانے نکلے

دن کو کرتے رہے سورج کو بجھانے کا عمل
رات آئی تو چراغوں کو جلانے نکلے

مصلحت اوڑھ کے سب بیٹھے رہے اہلِ خرد
حق بیانی کے لیے صرف دِوانے نکلے

دو گھڑی بیٹھتے دل کھول کے باتیں ہوتیں
آپ آیے تھے ابھی اور ابھی جانے نکلے

سوچتا رہ گیا دشمن کو دوں میں کیسے جواب
اسی اک بات میں بچے مرے سیانے نکلے

قرض احباب تو لیتے رہے وعدوں پہ سعیدؔ
بات لوٹانے کی آئی تو بہانے نکلے

**

وقت کے گرداب میں نذرِ تلاطم ہوگئے
اچھے اچھے لوگ اپنے روبرو گم ہوگئے

آ گئی لہجے میں جب سے خاکساری کی مٹھاس
دل نشیں پھر اس کے اندازِ تکلّم ہوگئے

ہو رہے تھے خوش بہت جھوٹی گواہی پر ابھی
حق بیانی سن کے میری لوگ گم صم ہوگئے

جل گئے پودے خوشی کے دھوپ میں حالات کی
ہر طرف نایاب گلہائے تبسم ہوگئے

میں نے جب لفظوں کو دی مفہوم کی تابندگی
آسمانِ شعر کے وہ ماہ و انجم ہوگئے

درمیاں سے ہٹ گیا پردہ تکلف کا سعیدؔ
قربتیں حد سے بڑھیں تو 'آپ' سے 'تم' ہوگئے

**

مری قسمت پہ اللہ کی نوازش مسکراتی ہے
تو پھر تکمیل کے زینے پہ خواہش مسکراتی ہے

جلا رکھا ہے میں نے حوصلے کا اک دیا پھر بھی
ہواؤں کی اگرچہ تیز گردش مسکراتی ہے

اچانک کانپ اٹھتی ہے شکستہ جھونپڑی میری
گرجتے ہیں جو بادل اور بارش مسکراتی ہے

ابھر آتی ہے شادابی ہمارے زرد چہرے پر
ہرے موسم کے لب پر جب نوازش مسکراتی ہے

اِدھر آپس کے جھگڑوں میں ہمارے دن گزرتے ہیں
اُدھر اپنے عدو کی زرد سازش مسکراتی ہے

پروتا ہوں سعیدؔ الفاظ کے موتی قرینے سے
جبینِ شعر پر جذبوں کی تابش مسکراتی ہے

**

مجھے پورا بھروسہ ہے اسی اک ذاتِ باری پر
سمندر پار کرنے میں چلا ہوں ٹوٹی کشتی پر

ہمیں اپنی چٹائی پر مزے کی نیند آتی ہے
سکوں ملتا نہیں ان کو مگر ریشم کی گدی پر

نماز ان کو ادا کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی
سنا کرتے ہیں قرآں روز لیکن اپنی ٹی ۔ وی۔ پر

مرے بچپن کا وہ معصوم لمحہ لوٹ آتا ہے
نظر پڑتی ہے اپنی جب کسی خوش رنگ تتلی پر

بڑے بابو نے دی جو ڈانٹ دفتر میں اسے اک دن
اتارا سارا غصہ اس نے اپنی نیک بیوی پر

بچھے جاتے ہیں وہ جنتا کے آگے خاکساری سے
بدل دیتے ہیں تیور بیٹھتے ہی اپنی کرسی پر

ہمیں تو اے سعیدؔ اپنی زمیں کی خاک پیاری ہے
اڑا کرتے رہو تم آسمانوں کی بلندی پر

**

دلوں میں زہر نفرت کا اگر پھیلا نہیں ہوتا
بھڑکتی آگ میں اپنا یہ گھر جلتا نہیں ہوتا

ہماری چھینک بھی دہشت گری ہے ان کی نظروں میں
وہ بمباری کریں مسجد پہ تو چرچا نہیں ہوتا

خدا کا نام لے کر ہم کنارے تک پہنچتے ہیں
ہماری راہ میں حائل کبھی دریا نہیں ہوتا

اجالا ہم کو دینے کے لیے تاریک راہوں میں
کوئی جگنو ، کوئی تارا ، کوئی چندا نہیں ہوتا

شناسا راستوں پر یوں تو چلتے ہیں سبھی لیکن
اسی جانب میں چلتا ہوں جدھر رستہ نہیں ہوتا

سعیدؔ آؤ جھکائیں دل کو اس کے روبرو ہم بھی
فقط سر کو جھکانے سے ادا سجدہ نہیں ہوتا

**

جذبہ محبتوں کا مفقود ہو گیا ہے
ہر شخص آج خود میں محدود ہو گیا ہے

شعلے اگا رہا ہے انساں کی بستیوں میں
اس دور کا وہ جیسے نمرود ہو گیا ہے

کیا جانے پھٹ پڑے کب میرے قریب آکر
خود آدمی ہی اب تو بارود ہو گیا ہے

پھر چونچ مارتا ہے تنقید کا وہ توتا
یہ شعر جیسے میٹھا امرود ہو گیا ہے

بے لوث ہو کے کوئی ملتا نہیں سعیدؔ اب
جذبہ خلوصِ دل کا نابود ہو گیا ہے

**

کبھی جب چھاؤں کی خواہش میں گل پیکر چلے آئے
انھیں آنکھیں دکھانے دھوپ کے لشکر چلے آئے

پڑھی اخبار کی سرخی تو پھر میری نگاہوں میں
ابھر کر خون آلودہ سبھی منظر چلے آئے

تمہارے شہر میں جب آ گیا میں آئینہ بن کر
تو میرے خیر مقدم کے لیے پتھر چلے آئے

جنھیں حق بات کا دعویٰ تھا ، لیکن وقت آنے پر
وہ اپنی مصلحت کے خول کے اندر چلے آئے

جو میں نے چھین لی بچوں کی کاپی نقل کرتے وقت
نکل کر ان کی جیبوں سے کئی خنجر چلے آئے

سعیدؔ اک معجزہ ہے حادثوں کی زد میں بھی رہ کر
متاعِ جاں سلامت لے کے اپنے گھر چلے آئے

**

کچھ ایسے لوگ جو بے حد خلیق ہوتے ہیں
وہ سب کی نظروں میں مثلِ عقیق ہوتے ہیں

مصیبتوں میں جو دیتے ہیں حوصلہ ہم کو
حقیقتاً وہی سچے رفیق ہوتے ہیں

دعائیں ہوتی ہیں ماں باپ کے لبوں پہ سدا
وہ اپنے بچوں کے حق میں شفیق ہوتے ہیں

میں دشمنوں کو بھی پہلے سلام کرتا ہوں
جدا ہر ایک سے میرے طریق ہوتے ہیں

ہمارے بچوں کا روشن ہو کیسے مستقبل
فضولیات میں اکثر غریق ہوتے ہیں

وہ کوئی اور نہیں ہیں سعیدؔ اپنے ہی
محاذِ جنگ پہ میرے فریق ہوتے ہیں

**

بزرگوں کی دعا لے کر.....	113	ادب کے ساتھ ہمیشہ.....	114
بے حال ہو رہے ہیں.....	115	پیڑوں سے پھول، برگ.....	116
ہر اک لفظِ سخن کو.....	117	اجالوں اور اندھیروں میں.....	118
جھوٹا جو ہے، کبھی.....	119	کھڑے ہیں آ کے.....	120
مری فطرت ہے سادہ.....	121	اپنے اشعار کو رنگوں میں.....	122
مکاں کی خستہ دیواروں.....	123	جیب خالی ہو تو پھر.....	124
ہمارے درمیاں کچھ اور.....	125	کیا بھول مجھ سے ہو گئی	126
میں طائرِ سخن کو.....	127	خوشی ہوتی ہے مجھ کو.....	128
ستم کی دھوپ ہو تو میں.....	129	غزل کہی تو نئے زاویے.....	130
لوحِ الفاظ پہ ہر.....	131	زمیں سمجھا تھا جس کو.....	132
کلام شیریں کا ذائقہ ہے.....	133	بزرگوں نے کہا ہے.....	134
آج کے دور میں سچ.....	135	اچھی صحبت کا اگر کوئی.....	136
ہمارے دور میں یہ سانحہ.....	137	اچانک شہر میں جلتے ہوئے.....	138
خون میں ڈوبے ہوئے.....	139	شاعری میں صَرف ہم.....	140
ہر طرف جلتا ہوا	141	ہمارے بچے خود اثر.....	142
سفر کے واسطے جب.....	143	غریبی میرے بچے کو تو.....	144
کوئی موسم بھی ہو اس میں.....	145	تمہیں تو دوستو!.....	146
تعلق کو سلیقے سے نبھانے.....	147	شاعری میں جو بھی.....	148
رنج و غم کا یا خوشی کا.....	149	دھوپ کے صحرا میں کوئی.....	150
تکلف برطرف سچ کا.....	151	شکریہ کیسے ادا ہو بس.....	152
جنابِ من! بڑی تاخیر کی.....	153	نخوت کا گہرا رنگ جو.....	154
سب کے ہاتھوں میں ہے.....	155	آپ کی سخن سنجی ہر نظر.....	156
ہر لمحہ آدمی کو مغموم.....	157	موم کا جسم لیے دھوپ میں.....	158
جس کو سمجھا تھا کہ ہے.....	159	ستم کا دور ابھی ہم پہ.....	160
دھوپ کی راہوں میں.....	161	میرے شعروں میں.....	162

- سوانحی خاکہ 163

سچائیوں کا آج جو نوحہ لکھا گیا
کانٹے کو پھول ، صحرا کو دریا لکھا گیا

جو کر رہا تھا جھوٹ کی تائید برملا
اس کو ہمارے دور میں سچا لکھا گیا

میں چل پڑا سفینے میں لے کر خدا کا نام
میرے لیے بھنور کو کنارا لکھا گیا

میں نے امیرِ شہر کی ہر بات ٹال دی
یوں تو سبھوں سے اس کا قصیدہ لکھا گیا

تاریک رہ گزر میں مسافت کے درمیاں
جگنو کو اک چمکتا ستارا لکھا گیا

یوں دوستوں سے کھائے ہیں دھوکے سعیدؔ نے
اس غم زدہ کو پیار کا مارا لکھا گیا

**

الفت کی رہ گزر سے جو شخص ہٹ گیا ہے
انسانیت سے اس کا ہر رشتہ کٹ گیا ہے

جو دور سے لگا تھا مجھ کو بلند قامت
میرے قریب آ کر قد اس کا گھٹ گیا ہے

آنگن کے بیچ جب سے اٹھنے لگیں فصیلیں
اپنا مکان کتنے خانوں میں بٹ گیا ہے

دشمن کے سامنے جب سینہ سپر ہوا میں
خود اس کا تیر اس کی جانب پلٹ گیا ہے

رشتوں کے دائرے میں وسعت کہاں سے آئے
ہر شخص اپنے اندر جیسے سمٹ گیا ہے

مہرے سعیدؔ اپنے پٹنے لگے مسلسل
میری بساطِ ہستی کوئی الٹ گیا ہے

**

نظر میں سب کی وہی بے مثال ہوتا ہے
جو انکسار میں حرفِ جمال ہوتا ہے

جو اپنے لہجے سے رس گھولتا ہے کانوں میں
وہ زخمِ دل کے لیے اندمال ہوتا ہے

شکست دیتا ہے تاریکیوں کے لشکر کو
جو اپنے آپ میں سورج مثال ہوتا ہے

ابال آتا نہیں جوش میں کسی صورت
طبیعتوں میں اگر اعتدال ہوتا ہے

رقم جو کرتا ہے اپنا خلوص ہر دل پر
مری نظر میں وہی لازوال ہوتا ہے

**

غزل رکھتی ہے اپنے آپ میں تشبیب کا پہلو
ہے اس کے شعر میں جذبات کی تقلیب کا پہلو

زباں کو ہم کثافت سے نہیں کرتے ہیں آلودہ
نظر میں اپنی رہتا ہے سدا تہذیب کا پہلو

مسائل کی سلگتی دھوپ میں جلنے سے بہتر ہے
بچاؤ کے لیے ہم ڈھونڈ لیں ترکیب کا پہلو

انھیں لوگوں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اک پل میں
نہیں رکھتے ہیں اپنی صف میں جو ترتیب کا پہلو

ہے میرے دل میں جس کے واسطے تعمیر کا جذبہ
اسے مطلوب ہے لیکن مری تخریب کا پہلو

خوشی کا پیش خیمہ پہلے ہر تہوار ہوتا تھا
سبب خدشات کا بنتا ہے اب تقریب کا پہلو

صداقت کی سعیدؔ امید رکھیں ان سے ہم کیوں کر
ہمیشہ جن کی فطرت میں رہا تکذیب کا پہلو

**

مرا ہر شعر مثبت سوچ کا اظہار ہوتا ہے
حقیقت کا ہمیشہ آئینہ بردار ہوتا ہے

سبھوں کو دوست میں اپنا سمجھتا ہوں یہاں لیکن
عقب سے پھر بھی مجھ پہ کیوں ہمیشہ وار ہوتا ہے

لہو منظر نظارا پیش کرتی ہے ہر اک سرخی
مری دہشت کا باعث صبح کا اخبار ہوتا ہے

دعاؤں کی ردا سر پر ہے میرے ڈھال کی صورت
ہر اک حربہ عدو کا اس لیے بے کار ہوتا ہے

جسے آسانیوں کی جستجو رہتی ہے دنیا میں
اسی کے واسطے جینا بہت دشوار ہوتا ہے

محبت اور رواداری کے منظر جس میں ہوتے ہیں
یہاں دنگوں کا باعث اب وہی تہوار ہوتا ہے

ہمیشہ پھینکتا ہے طنز کے پتھر جو اوروں پر
تو خود زخمی سعیدؔ اس شخص کا کردار ہوتا ہے

**

ہمیشہ جھوٹ جو کہتا رہا سچا نظر آیا
برائی جس کی فطرت ہے وہی اچھا نظر آیا

ہمارے دور میں قدروں کی پامالی ہوئی ایسی
بزرگوں کے مقابل آج کا بچہ نظر آیا

وہ دہشت گرد کے کرتوت تھے لیکن زمانے کو
دھماکوں کے پسِ منظر مرا چہرہ نظر آیا

سجا کر پیاس ہونٹوں پر قریب آیا جو میں اس کے
وہ دریا بھی چمکتی ریت کا صحرا نظر آیا

تھیں جس کے دم سے قائم انجمن کی رونقیں ساری
مجھے وہ شخص اپنی ذات میں تنہا نظر آیا

سعیدؔ اس کی غزل یوں تو بہت ہی خوب صورت تھی
مگر کچھ شعر تھے جن میں مجھے سرقہ نظر آیا

**

دھوپ کے دشت میں جو لوگ چلے ہوتے ہیں
منتظر ان کے لیے سایے گھنے ہوتے ہیں

رنگ موسم کی طرح جو نہ بدلتے ہوں کبھی
اپنی باتوں میں وہی لوگ کھرے ہوتے ہیں

تاجِ شاہی کو بھی رکھتے ہیں وہی ٹھوکر میں
جن کی پوشاک میں پیوند لگے ہوتے ہیں

مفلسی لکھتی ہے محرومیاں ہر روز مگر
دل کے شوکیش میں ارمان سجے ہوتے ہیں

کہہ نہیں پاتے ہیں جو لوگ مظالم کے خلاف
دائرے کھینچ کے چپ چاپ کھڑے ہوتے ہیں

بانٹتے رہتے ہیں اخلاص کی خوشبو جو سعیدؔ
میری نظروں میں وہی لوگ بڑے ہوتے ہیں

**

خوشی کا سبز موسم مستقل مہمان تھوڑی ہے
خزاں کے دور کی رخصت کا کچھ امکان تھوڑی ہے

حمایت باپ نے کی اس طرح اک روز بیٹے کی
شرارت ہی تو کرتا ہے کوئی شیطان تھوڑی ہے

ہمارے قتل کی سازش رچا کرتے ہیں وہ ہر دم
ہماری جان بھی ان کی نظر میں جان تھوڑی ہے

لہو پینے کا چسکا پڑ گیا ہے اس کو دنیا میں
ہمارے دور کا یہ آدمی انسان تھوڑی ہے

سنائی دے جہاں خاموشیوں کی چیخ روز و شب
یہ شہرِ کشتگاں اپنا کہاں ویران تھوڑی ہے

امیرِ شہر کی باتوں سے مجھ کو کچھ نہیں مطلب
کہا اس کا کوئی اللہ کا فرمان تھوڑی ہے

شکایت کیا کروں کوئی یہاں ملتا نہیں کھل کر
تمہارے شہر میں میری کوئی پہچان تھوڑی ہے

جلا کر خونِ دل ہوتا ہے اک مصرع کسی صورت
غزل کہنا میاں کیا اس قدر آسان تھوڑی ہے

سعیدؔ اپنی زمیں کے مسئلے رکھتے ہیں پابستہ
بلندی پر اڑانوں کا مجھے ارمان تھوڑی ہے

**

تہذیب کے اجالوں سے رکھتا ہوں انسلاک
میری زبان ہوتی ہے آلودگی سے پاک

میں اپنے عیب ڈھونڈتا رہتا ہوں ہر گھڑی
غیروں کے عیب گننے میں ہے اس کا انہماک

جھوٹی خبر اڑانے کا رکھتے ہیں شوق جو
گھر میں پڑوسیوں کے وہ کرتے ہیں تاک جھانک

دشمن مٹا نہ پایا ہمیں کر کے سازشیں
تیروں سے اپنے ہوتے رہے ہم مگر ہلاک

پردیس جا کے بیٹا تو زلفوں میں کھو گیا
ماں کو ہے انتظار کہ آیے گی اس کی ڈاک

اردو کا کام کرتا ہے جو کوئی اے سعیدؔ
میرا بصد خلوص اسی سے ہے اشتراک

**

اپنی بات

اردو زبان وادب کا فروغ مغربی بنگال اردو اکاڈمی کا اولین مقصد ہے۔اس ضمن میں اکاڈمی نے بہتیرے پروگرام مرتب کیے ہیں اور اُن پر تن دہی سے عمل پیرا بھی ہے۔نجی اشاعتی اسکیم بھی اس کا ایک اہم حصہ ہے۔اس اسکیم کے تحت اکاڈمی،مغربی بنگال میں تحقیق وتنقید اور اردو زبان وادب کے حوالے سے محققوں،تنقید نگاروں،شاعروں اور ادیبوں کی تخلیق کردہ معیاری کتابیں رعایتی اور واجبی قیمت پر زیورِطباعت سے آراستہ کر کے عام قاری کے ہاتھوں میں پہنچانے کا بھی عزم رکھتی ہے تاکہ اردو دنیا نہ صرف مغربی بنگال کے ادبی منظرنامے سے واقف ہوسکے، بلکہ یہاں کا ادب محفوظ بھی رہ سکے۔

زیرِ نظر مجموعۂ کلام "**فاصلوں کا موسم**" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔اکاڈمی اس مجموعۂ کلام کے شاعر سعید رحمانی کی شکر گزار ہے۔

سکریٹری

مَغرَبی بَنگال اُردُو اِکاڈمی

سستی برتنے والوں کا انجام ہے غلط
محنت کے وقت تھوڑا بھی آرام ہے غلط

جو بے ہنر ہیں ان کی پذیرائی کیجیے
ہر باہنر کے واسطے انعام ہے غلط

جھوٹے کو سچا کہتے ہیں جب آج سارے لوگ
اس پر لگانا جھوٹ کا الزام ہے غلط

ان کی ہر ایک بات غلط ہو کے ٹھیک ہے
ہم ٹھیک بھی کریں تو تو وہی کام ہے غلط

جو معتقد ہیں جھوٹ کے ان کے خیال میں
ہم دے رہے ہیں سچ کا جو پیغام ہے غلط

میں جب عروضِ شعر سے واقف نہیں سعیدؔ
مشہور شاعروں میں مرا نام ہے غلط

**

رشتے خلوص کے اب نایاب ہو گئے ہیں
آمادہ دشمنی پر احباب ہو گئے ہیں

مہکا رہے تھے اب تک جو شہرِ جاں ہمارا
وہ خوشبوؤں کے پیکر کم یاب ہو گئے ہیں

ان کی نظر کا یہ بھی اعجاز ہے کہ ذرّے
کچھ آفتاب اور کچھ مہتاب ہو گئے ہیں

گہرائیوں کا جن کی ثانی نہیں تھا کوئی
میرے لیے وہ دریا پایاب ہو گئے ہیں

یہ بھی ہے اک حقیقت اپنوں کا خون پی کر
خطے مرے وطن کے شاداب ہو گئے ہیں

رس گھولتا نہیں ہے باتوں سے اپنی کوئی
اب تو سعیدؔ لہجے تیزاب ہو گئے ہیں

**

جھوٹ کہنے والے کو نیک سب سمجھتے ہیں
آج لوگ سچے کو بے ادب سمجھتے ہیں

زندگی کے صحرا میں چل رہا ہوں مدت سے
پیاس کی حقیقت کو میرے لب سمجھتے ہیں

کچھ علاج کی باتیں سوچیے ذرا صاحب
درد اپنی ملت کا آپ جب سمجھتے ہیں

ڈھونڈتے ہیں خوش حالی سب تو اپنے حصے کی
دوسروں کی مجبوری لوگ کب سمجھتے ہیں

آخرت سعیدؔ اپنی کیسے وہ سنواریں گے
زندگی کے مقصد کو جو طرب سمجھتے ہیں

**

خدا کی ذات پہ ہم انحصار کرتے ہیں
اسی کا راستہ پھر اختیار کرتے ہیں

برائی وہ کبھی کرتے نہیں ہیں اوروں کی
جو اپنے عیبوں کو ہر دم شمار کرتے ہیں

کبھی بھی سامنا میرا وہ کر نہ پائیں گے
ہمیشہ جو یہاں پیچھے سے وار کرتے ہیں

چمک اٹھیں گے امیدوں کے بام و در جس سے
اسی سحر کا ابھی انتظار کرتے ہیں

عداوتوں کے حصاروں کے درمیاں رہ کر
تمہارا آج بھی ہم اعتبار کرتے ہیں

اچھالتے ہیں جو کیچڑ سعیدؔ اوروں پر
خود اپنے چہروں کو وہ داغ دار کرتے ہیں

**

فضائے شہر کو وہ اشتعال دیتے ہیں
لہو کو سب کی رگوں میں ابال دیتے ہیں

مرے رفیقوں کی یہ بھی تو مہربانی ہے
لگا کے زخم مجھے اندمال دیتے ہیں

علم سروں کا لیے کربلا میں پہنچے جو
انھیں کی لوگ ابھی تک مثال دیتے ہیں

حرا کے غار سے روشن بصیرتوں کے چراغ
کثیف ذہنوں کو اب بھی اجال دیتے ہیں

غموں کے قافلے کرتے ہیں پیش قدمی جب
ہر ایک چہرے کو گردِ ملال دیتے ہیں

ہمیشہ جستجو رہتی ہے مجھ کو خوشیوں کی
ہمیشہ کرب مجھے ماہ و سال دیتے ہیں

دعائیں دل سے نکلتی ہیں ان کے حق میں سعیدؔ
جو بڑھ کے پاؤں سے کانٹے نکال دیتے ہیں

**

بڑے خلوص سے جھک کے سلام کرتے ہیں
تمہیں اے دوستو! دل سے سلام کرتے ہیں

یہ بات کم نہیں تہذیب کچھ تو باقی ہے
بڑوں کو آج بھی بچے سلام کرتے ہیں

غریبِ شہر سے رکھتے ہیں دوریاں لیکن
امیرِ شہر کو پیسے سلام کرتے ہیں

ہیں میرے لمسِ قدم سے وہ اس قدر مانوس
سفر میں نکلوں تو رستے سلام کرتے ہیں

الٰہی تیرے عنایات کے سمند کو
مری خطا کے جزیرے سلام کرتے ہیں

سعیدؔ یہ بھی تو اپنے نبی کی سنت ہے
کسی سے ملتے ہی پہلے سلام کرتے ہیں

**

دورخی لوگوں کے مشکوک عمل ہوتے ہیں
ان کی باتوں میں بہت پھیر بدل ہوتے ہیں

اپنی رسوائی کے بارے میں بھی سوچا ہے کبھی
کچھ نہ کچھ اس کے بھی اسباب و علل ہوتے ہیں

سچ کا اظہار میں کرتا ہوں سرِ عام اگر
منصفِ وقت کی پیشانی پہ بل ہوتے ہیں

زندگی جن کی گزرتی ہے درختوں کے تلے
ان کی آنکھوں میں بھی سپنوں کے محل ہوتے ہیں

بوجھ ڈھوتے ہوئے مزدور کے چھوٹے بچے
گدلے پانی میں کھلے جیسے کنول ہوتے ہیں

رخ ہواؤں کا پلٹ دیتے ہیں وہ لوگ سعیدؔ
حوصلے جن کے بہرطور اٹل ہوتے ہیں

**

وہ بچے نیک ہیں جو فرض کی تکمیل کرتے ہیں
بڑوں کے حکم کی ہر حال میں تعمیل کرتے ہیں

ہمیشہ مسئلوں کے ہاتھ سے چلتے ہیں جو پتھر
نگاہوں کو مری وہ مضطرب اک جھیل کرتے ہیں

یہی دولت بچی ہے ہم فقیروں کے مقدر میں
تمہاری نذر اپنے عجز کی زنبیل کرتے ہیں

بھرم اپنا وہ کھو دیتے ہیں دنیا کی نگاہوں میں
جو اپنے آنسوؤں سے درد کی ترسیل کرتے ہیں

بلاتا ہوں اگر ان کو تو وہ تشریف لانے میں
کبھی تاخیر کرتے ہیں ، کبھی تعجیل کرتے ہیں

صحیفے ہیں سعیدؔ اشعار میرے عہدِ حاضر کے
بدلتے منظروں کی پیش جو تفصیل کرتے ہیں

**

مسئلوں کی بھیڑ کا پھیلا ہوا یہ سلسلہ
لکھ رہا ہے سب کے چہروں پر دکھوں کا ماجرا

ایک چھوٹے گاؤں میں تبدیل دنیا ہو گئی
بڑھ گیا لیکن ہمارے درمیاں کا فاصلہ

یوں تو ملنے کے بہت سا دھن ہمارے پاس ہیں
پھر بھی جانے کٹ گیا کیوں دل سے دل کا رابطہ

جھوٹ کی نگری میں سچ کی حیثیت ایسی لگی
پتھروں کے شہر میں رہتا ہے جیسے آئینہ

پھر ضروری ہے کہ پیدا ہم کریں عزمِ حسین
ہر قدم پر پیش ہے اپنے لیے کرب و بلا

وہ زمانے سے نگاہیں کیا ملائیں گے سعیدؔ
جن کو ہے محبوب اپنی مصلحت کا دائرہ

**

وقت کے پنوں پہ خونی حادثہ تحریر ہے
سب کے چہروں پر دکھوں کا ماجرا تحریر ہے

شور محشر کا اٹھا کر جا چکی ہیں اندھیاں
گھر کی ہر دیوار پر ان کی صدا تحریر ہے

مسندِ انصاف پر بیٹھا ہے قاتل ، اس لیے
بے خطاؤں کے مقدر میں سزا تحریر ہے

اس کے ہاتھوں میں دبے پتھر کی ہر اک نوک پر
میرے اخلاص و مروت کا صلہ تحریر ہے

میرے رستے سے بلائیں دور رہتی ہیں سدا
کیوں کہ لوحِ بخت پر ماں کی دعا تحریر ہے

اجنبی بن کر ملا کرتے ہیں مجھ سے سب سعیدؔ
سب کے چہروں پر اگرچہ ''آشنا'' تحریر ہے

**

حمد
مناجات
نعت

پیڑ کی چھاؤں میں رہنے کو مکاں دیتا ہے
اور پلکوں کو وہ خوابوں کا جہاں دیتا ہے

دھوپ کو اوڑھ کے چلتا ہوں سفر میں اپنے
میرا سایہ مجھے احساسِ اماں دیتا ہے

مجھ کو ملتا ہے نئی صبح کی آمد کا پیام
وقت جب روح کے صحرا میں اذاں دیتا ہے

جس کی تائید میں کرتا ہوں ہمیشہ ، لیکن
میری تردید میں وہ شخص بیاں دیتا ہے

پیکرِ شعر میں ڈھل کر مرا اندازِ سخن
گونگے لفظوں کو بھی تاثیرِ زباں دیتا ہے

سنگ باری کا یہ موسم ہے بلاخیز سعیدؔ
پھول کا تحفہ ہمیں کون یہاں دیتا ہے

**

وہ انکسار کی روشن نظیر ہوتے ہیں
امیر ہو کے جو دل سے فقیر ہوتے ہیں

یقیں کی شمع سے روشن نہیں ہے دل جن کا
وہ واہموں کی گپھا میں اسیر ہوتے ہیں

یہ چلتے پھرتے شرارے ہیں ان کو مت چھیڑو
کہ چھوٹی عمر میں بچے شریر ہوتے ہیں

بچا تو لیتا ہوں میں خود کو دشمنوں سے مگر
جو مجھ کو لگتے ہیں وہ اپنے تیر ہوتے ہیں

بدلتے رہتے ہیں چہرے جو موسموں کی طرح
مری نظر میں وہی بے ضمیر ہوتے ہیں

سعیدؔ ان کو بھی حاصل عروج ہوتا ہے
نظر میں سب کی جو ذرے حقیر ہوتے ہیں

**

ہنسنے والا آدمی بھی آج کل دل گیر ہے
اس کے چہرے پر غمِ حالات کیوں تحریر ہے

آج کی دیوار پر چاروں طرف لٹکی ہوئی
آنے والے دور کی مایوس کن تصویر ہے

کون سنتا ہے یہاں مظلوم کی فریاد کو
عدل کے زینے پہ لٹکی اب کہاں زنجیر ہے

کام لے سکتا ہوں اس سے مشکلوں کے درمیاں
میرے ترکش میں ابھی اک آخری جو تیر ہے

آپ چاہیں تو بدل سکتے ہیں خود تقدیر کو
کامیابی کی ضمانت اصل میں تدبیر ہے

میری غزلوں میں ہے شامل وقت کی دھڑکن سعیدؔ
میرا ہر اک شعر اپنے عہد کی تفسیر ہے

**

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

پھول کا حسن تو خوشبو کی ردا ہوتی ہے
میری غزلوں میں بھی شاداب فضا ہوتی ہے

مجھ کو جنت بھی نظر آتی ہے روٹھی روٹھی
جب کسی بات پہ ماں اپنی خفا ہوتی ہے

جس میں قرآں کی تلاوت ہو سدا شام و سحر
دور اس گھر سے ہر اک موجِ بلا ہوتی ہے

دھوپ کے دشت سے بے خوف گزر جاتا ہوں
سائباں سر پہ بزرگوں کی دعا ہوتی ہے

رخ پلٹ دیتے ہیں بڑھ کر وہی طوفانوں کا
جن کو حاصل یہاں تائیدِ خدا ہوتی ہے

در سماعت کے مہک اٹھتے ہیں سن کر جس کو
عطر میں ڈوبی اذانوں کی صدا ہوتی ہے

اپنی تکمیل کا دعویٰ نہیں کرتا میں سعیدؔ
ایک انسان ہوں مجھ سے بھی خطا ہوتی ہے

**

دل کے ورق ورق پر نامِ خدا لکھا ہے
لب کی بیاض میں بھی حرفِ دعا لکھا ہے

گویائی میں نے دی ہے مظلوم کی زباں کو
ہونٹوں پہ ان کے اکثر حرفِ نوا لکھا ہے

میں نے پلٹ کے دیکھا جب بابِ زندگی کو
ہر اک ورق پہ اس کے اک سانحہ لکھا ہے

میں سوچتا ہوں اب تک عنوان اس کا کیا دوں
زخموں کا ہر بدن پر اک ماجرا لکھا ہے

تائید میں نے کی ہے حق بات کی ہمیشہ
میرے خلاف اس نے ہر فیصلہ لکھا ہے

دیکھا سعیدؔ میں نے لوگوں کو گھر جلاتے
اخبار نے تو اس کو اک حادثہ لکھا ہے

**

ساری مصیبتیں وہ خود مولنے لگا ہے
جھوٹوں کے بیچ رہ کر سچ بولنے لگا ہے

ہوتی ہے آج کل یوں قدروں کی پائمالی
بچہ بڑوں کے آگے منہ کھولنے لگا ہے

لوگوں کے گھر جلیں گے پھر شہر میں ہمارے
نفرت کا زہر دل میں وہ گھولنے لگا ہے

میں پیش کر رہا ہوں محفل میں شعر اپنے
میزانِ فاعلن سے وہ تولنے لگا ہے

کتنے ہی لوگ ہوں گے دشمن سعیدؔ تیرے
کیوں سب کی اصلیت کو تو کھولنے لگا ہے

**

مسلسل حادثوں کے درمیاں بھی مسکراتا ہوں
خدا کا نام لے کر میں سکونِ قلب پاتا ہوں

بڑی حیرت سے تکتی ہیں گزرتی آندھیاں اس کو
میں ان کی رہ گزر میں جب چراغ اپنا جلاتا ہوں

عدو کی فوج میں جب دیکھتا ہوں کچھ رفیقوں کو
محاذِ جنگ پہ دانستہ خود ہی ہار جاتا ہوں

اندھیرے اس لیے گھر میں قدم رکھنے نہیں پاتے
کہ میں دیوار پر والشمس کے طغرے لگاتا ہوں

حقیقت کھول دیتا ہے مرے لفظوں کا آئینہ
میں بزمِ شاعری میں جب غزل اپنی سناتا ہوں

سعیدؔ اس شہر کے ماحول میں جب سے تناؤ ہے
میں گھر کو شام سے پہلے ہمیشہ لوٹ آتا ہوں

**

طوفان سر اٹھاتے ہیں چلتی ہیں آندھیاں
تحریر ہیں مکانوں پہ موسم کی سختیاں

ویراں ہیں آج کل مری آنکھوں کی وادیاں
آتی نہیں ہیں خوابوں کی اب ان میں تتلیاں

آنے لگی ہے ان سے بھی تازہ لہو کی باس
اخبار کی جبیں پہ رقم ہیں جو سرخیاں

شاہانِ وقت چھوڑ گئے اپنا تخت و تاج
کرنے لگی ہیں راج غلاموں کی ٹولیاں

میں نے سجا کے رکھا تھا سپنوں کا جو محل
بکھری ہوئی ہیں چاروں طرف اس کی کرچیاں

چلتے ہیں لوگ ہاتھوں میں خنجر لیے سعیدؔ
شامل ہوئی ہیں جب سے فضاؤں میں تلخیاں

**

اپنے مزاج سے وہ خوں ریز ہو گیا ہے
اس دور کا نیا اک چنگیز ہو گیا ہے

لوگوں کو وہ لڑا کر رہتا ہے فائدے میں
فطرت سے اپنی گویا انگریز ہو گیا ہے

فرعوں کو مٹانے موسیٰ ہوئے تھے پیدا
بش کا حریفِ جاں اب شاویز ہو گیا ہے

جلتے گھروں کا منظر ہے دور تک ، فضا میں
نفرت کا زہر جب سے آمیز ہو گیا ہے

دنگوں میں مرنے والے لوگوں کا خون پی کر
خطہ مرے وطن کا زرخیز ہو گیا ہے

آؤ سعیدؔ اپنی صف کو درست کر لیں
ہم پر عدو کا حملہ پھر تیز ہو گیا ہے

**

حمد باری تعالیٰ

تشنگی ہونٹوں کی اک پل میں بجھا دیتا ہے
ریگِ صحرا میں بھی چشمہ وہ بہا دیتا ہے

دن کے ماتھے کو عطا کرتا ہے اجلا جھومر
رات کی مانگ ستاروں سے سجا دیتا ہے

ذائقہ دیتا ہے وہ پھل کو تو پھولوں کو مہک
چاند کو چاندنی ، تاروں کو ضیا دیتا ہے

دل کی آنکھوں سے اگر دیکھنا چاہو اس کو
اپنا جلوہ وہ ہر اک شے میں دکھا دیتا ہے

ان کے الزام سبھی اب مرے سر جاتے ہیں
مجھ کو بدنام زمانے میں وہ کر جاتے ہیں

سبز موسم میں بھی آپس کی عداوت کے سبب
زرد پتوں کی طرح لوگ بکھر جاتے ہیں

یہ بلندی تری پستی میں نہ ڈھل جائے کہیں
چڑھتے دریا بھی تو اک روز اتر جاتے ہیں

بے ہنر لوگوں کو ملتا ہے شرف کا تمغہ
خالی کشکول لیے اہلِ ہنر جاتے ہیں

غم کا موسم ہے کہ ٹھہرا ہے نواحِ جاں میں
یوں تو موسم سبھی آتے ہیں گزر جاتے ہیں

بگڑی تقدیر بھی بنتی ہے اسی در پہ سعیدؔ
ان کی چوکھٹ پہ جو آتے ہیں سنور جاتے ہیں

**

اسے خبر نہیں موسم کا رنگ کیسا ہے
جو اپنی ذات کے اندھے کنوئیں میں رہتا ہے

ابھی سے ڈھال بنا لو دعا کے لفظوں کو
ہمارے گاؤں کا بوڑھا فقیر کہتا ہے

لکھی ہے درد کی تفسیر اس کے پنوں پر
کھلی کتاب کے جیسا ہر ایک چہرہ ہے

اسے چلاتا ہے یہ وقت اپنی مرضی سے
بساطِ زیست پہ ہر شخص ایک مہرہ ہے

بڑوں کی نظروں میں پہچان ہے یہ شاعر کی
اس کی شاعری اچھی جو خود بھی اچھا ہے

مجھے کرم سے نوازے گا وہ سعیدؔ اک دن
خدا کی ذات پہ راسخ مرا بھروسہ ہے

**

آج کل کی دوستی کے ایسے پس منظر ملے
جن میں رشتوں کے سبھی معیار تک کم تر ملے

اِس طرف والے تو سب تھے آئینہ صورت مگر
اُس طرف والوں کے ہاتھوں میں فقط پتھر ملے

کرفیو میں ہر جگہ رونق تھی پہلے کی طرح
اپنی بستی کے مگر خاموش بام و در ملے

دوستوں کی مہربانی کا بہت ہی شکریہ
ان کے ہاتھوں زخم کے تحفے مجھے اکثر ملے

ایک ہی چوکھٹ پہ خم ہوتی رہی اپنی جبیں
یوں تو اپنی راہ میں کتنے ہی سنگِ در ملے

اب تلک اپنا سمجھتا تھا میں جن کو اے سعیدؔ
مجھ کو ان کی آستینوں میں چھپے خنجر ملے

**

دیش کی دھرتی جہاں میں اس لیے ہے سرخ رو
ہم ہی دیتے ہیں اسے ہر دور میں اپنا لہو

دوستوں کی دوستی سے ہے فقط مجھ کو غرض
ان سے میں رکھتا نہیں ہوں فائدے کی آرزو

ہو ہی جاتی ہے شکن آلود لوگوں کی جبیں
برملا اظہارِ حق کرتا ہوں میں جب روبرو

درمیاں تشکیک کی دیوار حائل ہے ابھی
اس لیے کرتا نہیں ہے کھل کے کوئی گفتگو

نیم وحشی کا لقب جس کو ملا تھا ایک روز
وہ غزل اردو زباں کی بن گئی ہے آبرو

نام رکھا ہے مرے اجداد نے میرا سعیدؔ
مجھ کو رہتی ہے ہمیشہ نیکیوں کی جستجو

**

جلا رہے ہیں یہاں لوگ جو دغا کے چراغ
ہیں ان کے مدِ مقابل مری وفا کے چراغ

اجال دیتے ہیں غم کی اندھیری راتوں کو
لبوں کی طاق پہ روشن مری دعا کے چراغ

اداسیوں کا کھنڈر ہے جہاں سکوت بدوش
چلو جلائیں وہاں کیف زا صدا کے چراغ

بروئے کار جو لے آؤں اپنا سوزِ دروں
تو سازباز نہ کرنے لگیں ہوا کے چراغ

شبِ سیاہ بھی بھٹکا سکی نہ مجھ کو سعیدؔ
بنے جو راہ نما ان کے نقشِ پا کے چراغ

**

تارے نہیں تو کیا ہوا جگنو کی ہے چمک
روشن ہے تیرہ شب میں مری زیست کی سڑک

کمرے میں میرے چمکا تھا اک چاند جو کبھی
اس کی لطیف کرنوں کی ہے آج تک مہک

سورج کا قتل شام کے زینے پہ جب ہوا
اس کی گواہی دینے لگی سرخیِ فلک

کچے مکاں کو میرے ڈراتی ہے بار بار
بادل کی یہ گرج ، کبھی بجلی کی یہ کڑک

شعر و ادب کے پھول بھی کھلتے ہیں اس جگہ
اردو کا ایک جزیرۂ شاداب ہے کٹک

کرتے ہیں وار تیروں سے دشمن اگر سعیدؔ
محفوظ مجھ کو رکھتی ہے اللہ کی کمک

**

اذانِ صبح سے مسجد کی ساری برجیاں جاگیں
بجے ناقوس مندر میں اور ان کی گھنٹیاں جاگیں

سلگتی دھوپ میں مرجھا گئی ہر فصل خوشیوں کی
ہمارے کھیت میں پھر سے دکھوں کی بالیاں جاگیں

خلوص و مہر کے جذبوں کو نیند آنے لگی جب سے
ریاکاری کے ہاتھوں میں ستم کی برچھیاں جاگیں

انہیں چنتا رہا میں رات بھر بستر کی شکنوں سے
مرے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی جس دم کرچیاں جاگیں

کسے یہ ہوش تھا سنتا انہیں جشنِ مسرت میں
اِدھر شہنائیوں کی گونج میں جب سسکیاں جاگیں

نشیمن جب بنا شاخِ تمنا پر سعیدؔ اپنا
جلانے کے لیے اس کو اچانک بجلیاں جاگیں

**

نفرت کا زہر ہر سو اگلتی ہیں آندھیاں
رخ اپنا ہر قدم پہ بدلتی ہیں آندھیاں

اونچے درخت اپنے جڑوں سے اکھڑ گئے
محفوظ مجھ کو دیکھ کے جلتی ہیں آندھیاں

مہرے الٹ رہے ہیں بساطِ حیات کے
محشر کی چال آہ جو چلتی ہیں آندھیاں

چہروں کے ہر ورق پہ ہے تحریر خوف کی
دہشت کا خامہ لے کے نکلتی ہیں آندھیاں

جب دیکھتی ہیں عزم کا جلتا ہوا چراغ
اس کی حرارتوں سے پگھلتی ہیں آندھیاں

بن جائیں گی سعیدؔ وہ طوفان کا جواب
اس وقت میرے گھر میں جو پلتی ہیں آندھیاں

**

غزل کو اپنی میں نے سچ کے بام و در پہ رکھا ہے
مرے شعروں کو اس نے طنز کے خنجر پہ رکھا ہے

مناتا ہوں میں اکثر رتجگے راتوں کے آنگن میں
شکستہ خواب کا ٹکڑا مرے بستر پہ رکھا ہے

بس اتنا سوچ کر تعبیر کی صورت کوئی نکلے
پرانے خواب کو میں نے نئے منظر پہ رکھا ہے

ستم کی دھوپ سے بچنے کی خاطر اوڑھ لیتا ہوں
بزرگوں کی دعا کا حرف جس چادر پہ رکھا ہے

لٹا بیٹھے ہیں اپنا کارواں انجان راہوں میں
بھروسہ جب کبھی ہم نے کسی رہبر پہ رکھا ہے

دعا دے کر گزر جاتے ہیں رہرو جانبِ منزل
جلا کر اک دیا میں نے جو اپنے در پہ رکھا ہے

مرے بچے بڑے ہو کر اٹھا لیں گے اسے اک دن
ضرورت کا پہاڑ اب تک جو میرے سر پہ رکھا ہے

ذرا دیکھے کوئی شانِ فقیری اے سعیدؔ اپنی
کہ تاج و تخت کو ہم نے سدا ٹھوکر پہ رکھا ہے

**

وہ ڈبو دیتا ہے سرکش کو سمندر میں اگر
راستے کے لیے بندے کو عصا دیتا ہے

شکر ہم اس کی عنایت کا کریں کیسے ادا
مانگنے والوں کو وہ حد سے سوا دیتا ہے

یاس کے زرد اندھیروں میں بھٹکتا ہوں اگر
دل میں امید کی وہ شمعیں جلا دیتا ہے

وہ سنا کرتا ہے فریاد ہر اک بندے کی
لفظِ اخلاص کو تاثیرِ دعا دیتا ہے

وقت جب کانٹے بچھا دیتا ہے رستے میں سعیدؔ
میرے قدموں تلے وہ پھول کھلا دیتا ہے

**

محرومیت پہ کس لیے کرتے ہو تم قلق
اب بڑھ کے چھین لینا ہے ظالم سے اپنا حق

سادہ مزاج رکھتی ہے میری ہر اک غزل
ہوتا نہیں ہے شعروں میں اک لفظ بھی ادق

وہ مسکرا اٹھے تو مجھے اس طرح لگا
چہرے پہ جیسے آ گئی رنگینیِ شفق

شعلے تعصبات کے بھڑکا رہے ہیں وہ
نفرت کے پاٹھ شالہ میں لیتے ہیں جو سبق

لکھا ہے ان کا نام بڑے احترام سے
اپنی بیاضِ دل کا ہے روشن ہر اک ورق

اعجاز یہ بھی دیکھا ہے اہلِ جہان نے
انگشت کے اشارے قمر ہو گیا تھا شق

آئینہ اپنے شعر کو کرنے لگا ہوں میں
چہرہ مرے حریف کا ہونے لگا ہے فق

پھر دھوپ سے پڑے گا مجھے واسطہ سعیدؔ
میری نظر کے آگے ہے صحرائے لق و دق

**

پرائے درد کو مہمان کر کے دیکھا ہے
یوں میں نے خود کو پریشان کر کے دیکھا ہے

میں اس سے پوچھوں گا انجام کیا ہوا، جس نے
بدی سے جنگ کا اعلان کر کے دیکھا ہے

ہر ایک حال میں کاٹی ہے زندگی میں نے
کہ مشکلوں کو بھی آسان کر کے دیکھا ہے

خلوص و مہر کی خوشبو کو عمر بھر میں نے
کتابِ زیست کا عنوان کر کے دیکھا ہے

عدو کے قلب کی تالیف ہو نہیں سکتی
اگرچہ اس پہ بھی احسان کر کے دیکھا ہے

ہوا ہوں جب کبھی محصور مشکلوں میں سعیدؔ
مجھے رفیقوں نے انجان کر کے دیکھا ہے

**

قاتلوں کو چھوٹ حاصل ہے تو ہے
اور امیرِ شہر غافل ہے تو ہے

جادۂ حق پر رہوں گا میں اٹل
گر مخالف زورِ باطل ہے تو ہے

دوستی کا مجھ سے دم بھرتا ہے جو
دشمنوں میں وہ بھی شامل ہے تو ہے

عزم کی پتوار جب ہے ہاتھ میں
دور امیدوں کا ساحل ہے تو ہے

شاعری کی بزم ہے ہم کو عزیز
اس سے بہتر کوئی محفل ہے تو ہے

میں ستارہ ہو کے خوش ہوں اے سعیدؔ
وہ ادب کا ماہِ کامل ہے تو ہے

**

غمِ سود و زیاں سے خود کو جو آزاد رکھتا ہے
کوئی موسم بھی ہو دل کو ہمیشہ شاد رکھتا ہے

کوئی بھی حال ہو شکوے گلے کرتا ہے جو سب سے
کبھی ہونٹوں پہ نالے اور کبھی فریاد رکھتا ہے

ذرا سی چوک پر تنقید کی قینچی چلانے کو
مرے شعروں پہ نظریں گاڑ کے نقاد رکھتا ہے

میسر ہے سکونِ دل کی دولت اس کو دنیا میں
خدا کی یاد سے جو اپنا دل آباد رکھتا ہے

لگا دیتے ہیں بازی جان کی جو حق پرستی میں
زمانہ ایسے لوگوں کو ہمیشہ یاد رکھتا ہے

ابھی جو سنگ باری ہو رہی ہے وقت کے ہاتھوں
سعیدؔ اس واسطے اپنا جگر فولاد رکھتا ہے

**

اپنے خالق سے زباں پر میں گلہ رکھتا نہیں
غم بھی دے تو ہونٹ پر حرفِ نوا رکھتا نہیں

دوسروں کی عیب جوئی میں مزہ لیتا ہے جو
اپنے گھر میں وہ کبھی بھی آئینہ رکھتا نہیں

کھینچ دیتا ہے دلوں کے درمیاں اونچی فصیل
پاس آنے کا وہ کوئی راستہ رکھتا نہیں

پار کر لیتا ہوں دریا لے کے اس کا نام میں
گرچہ اپنے ہاتھ میں کوئی عصا رکھتا نہیں

خامشی سے کر رہا ہوں خدمتِ شعر و ادب
اس کے بدلے دل میں امیدِ صلہ رکھتا نہیں

خاکساری اپنی فطرت میں ہے شامل اے سعیدؔ
کبر و نخوت سے میں کوئی واسطہ رکھتا نہیں

**

ہے کبھی پے چیدہ تر اور ہے کبھی ہم وار بھی
زندگی اپنی جگہ آساں بھی ہے دشوار بھی

کیوں ڈروں آنکھیں دکھاتا ہے اگر منجدھار بھی
ہاتھ میں رکھتا ہوں جب میں عزم کی پتوار بھی

زخمِ دل کے واسطے مرہم بھی ہے میرا قلم
اور ظالم کے لیے بنتا ہے وہ تلوار بھی

روبرو میرے جتاتا بھی ہے اپنی دوستی
سازشیں کرتا ہے لیکن وہ پسِ دیوار بھی

اس لیے ناراض ہیں ظلِ الٰہی آج کل
جھک نہیں پایا۔ جو میرا سر سرِ دربار بھی

کرب کی سولی ٹنگی ہے دونوں جانب اے سعیدؔ
اور ہراساں لوگ ہیں اِس پار بھی اُس پار بھی

**

راحتوں کے سبز موسم کا وہ نظّارہ نہیں
غم کے زنداں سے نکلنے کا کوئی چارہ نہیں

کیا اڑائے گی مجھے یہ تیزرو پاگل ہوا
شاخ سے ٹوٹا ہوا میں برگِ آوارہ نہیں

ہاتھ میں لے کر چلا ہوں اپنی ہمت کا چراغ
میرے رستے میں کوئی جگنو نہیں ، تارا نہیں

یوں جوانی میں سفر میلوں کا طے کرتا رہا
دو قدم چلنے کا لیکن اب مجھے یارا نہیں

سادگی کے پیرہن میں پیش کرتا ہوں غزل
برملا کہتا ہوں میں یہ کوئی شہ پارہ نہیں

حادثوں کے دل شکن اس دورِ حاضر میں سعیدؔ
یہ بتاؤ کون ہے جو درد کا مارا نہیں

**

جو عالم بے بسی کا آج ہے کل ہو نہیں سکتا
اندھیری رات کا حملہ مسلسل ہو نہیں سکتا

بڑے نادان ہیں کرتے ہیں جو تکمیل کا دعویٰ
کوئی انساں کبھی خود میں مکمل ہو نہیں سکتا

ہمیشہ حرفِ حق کہتا رہوں گا چڑھ کے سولی پر
کبھی اپنی زباں کا در مقفل ہو نہیں سکتا

درندوں۔کو جو دیکھا تو حقیقت ہو گئی روشن
میں یہ سمجھا تھا اپنا شہر جنگل ہو نہیں سکتا

دھواں پھیلا ہوا ہے ہر طرف نفرت کے شعلوں کا
کبھی وہ پیار کے جذبے کا بادل ہو نہیں سکتا

ذرا تاخیر ہو سکتی ہے موسم کے بدلنے میں
ہماری کوششوں کا پیڑ نسپھل ہو نہیں سکتا

سعیدؔ اس قول کی تصدیق ہوتی ہے بزرگوں سے
رذالت جس کی فطرت ہے وہ افضل ہو نہیں سکتا

**

مسلسل حادثوں کی زد میں اپنی زندگانی ہے
ہر اک چہرے پہ لکھی رنج و غم کی اک کہانی ہے

کسی صورت یہاں نفرت کا سکہ چل نہیں سکتا
ہمارا دل محبت کی انوکھی راجدھانی ہے

مرے غربت کدے میں آپ نے آنے کی زحمت کی
عنایت ہے، نوازش ہے، کرم ہے، مہربانی ہے

حقیقت آشنا اس دور کے بچوں کے ذہنوں میں
نہ وہ سپنوں کا راجا ہے، نہ وہ پریوں کی رانی ہے

مرے اشعار سن کر ہر کوئی کہتا ہے یہ مجھ سے
تمہاری جو کہانی ہے، وہی میری کہانی ہے

رباعی، نظم، دوہے، ماہیے، تو خوب ہیں لیکن
سخن کے ملک میں رائج غزل کی حکمرانی ہے

سعیدؔ اپنے بزرگوں کا ادب کرتا ہے جو دائم
وہی میری نظر میں درحقیقت خاندانی ہے

**